☆ ڈاکٹر شمس البصر

انسانی معاشرہ اور نظم قضاء
اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک جائزہ

معاشرے میں قیام عدل کی اہمیت سے کسی بھی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔عدل کے قیام ہی سے معاشرے پرواں چڑھتے ہیں۔لوگ ایک دوسرے کے دستبرد سے محفوظ ہوتے ہیں۔اسی سے معاشرہ امن و سکون کا گہوارا بنتا ہے۔مہذب معاشروں اور ریاستوں نے مختلف زمانوں میں نہ صرف ظلم کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔بلکہ ظلم کی ناپسندیگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ عدل کی اہمیت کو اجاگر بھی کیا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ عدل کے قیام کے بغیر پرامن زندگی گزارنے کا تصور بھی ممکن نہیں عدل و انصاف کے قیام ہی کے ذریعے معاشرہ میں اطمینان اور سکون اور امن و آتشی کو یقینی بنایا جا سکتا ہے اسی سے نہ صرف ظلم و جبر کا مداوا کیا جاتا ہے بلکہ مطمئن آسودہ، پروقار اور پرسکون زندگی گزارنا ممکن بنایا جاتا ہے۔

مختلف معاشروں کو مہذب بنانے میں زیادہ تر عمل دخل مذہب کا ہی رہا ہے۔اور مذہب کی بنیاد الہامی ہے۔یہی الہامی بنیاد دراصل اسلامی ہی ہے اسی وجہ سے جس طرح اسلام ہمیشہ سے ظلم کو ناپسند قرار دیتا چلا آرہا ہے اسی طرح ان معاشروں نے اسی اثر کے نتیجے میں اسے ناپسند قرار دیا ہے۔

آج دنیا میں عدل کے قیام کیلئے Judiciary کا ادارہ موجود ہے۔اسلامی اصطلاح میں اسے قضاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔قضاء دراصل اس فیصلے یا حکم کو کہتے ہیں جو کسی بااختیار ادارے یا قاضی (Judge) کی جانب سے صادر ہو۔

یہ دنیا دارالامتحان ہے اس میں حق و باطل کا وجود اس کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ انسان کو حق اور راست بازی کی طرف جبکہ شیطان اسے باطل اور گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔حب مال، حب اولاد اور آسائش کے حصول کی محبت جبلت بشریہ میں ہے۔اس وجہ سے ان تمام کے حصول کیلئے وہ ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔اس سلسلے میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی خاطر زیادتیوں کا ارتکاب ممکن ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپس میں لڑنے جھگڑنے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔قرآن کریم انسان کی اس جبلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "وکان الانسان اکثر شیء جدلا" (۱)

ترجمہ: مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

ایک اور جگہ ارشاد خواوندی ہے:

"اولم یر الانسان أنا خلقناه من نطفة فاذا هو خصيم مبين" (۲)

ترجمہ: کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو ہو گیا۔

انسان اپنی ضروریات تعیشات، پسند اور ناپسند کیلئے مقررہ حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر اس کو اپنی اس حالت پر چھوڑ دیا جائے تو معاشرہ میں فساد برپا ہو جائے گا۔ اس فساد، جھگڑوں، تنازعات اور اختلافات کو ختم کرنے کیلئے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو ان تمام اختلافات کو احسن طریقے سے نمٹائے۔ وہ قوت قضاء ہی کی ہو سکتی ہے۔ جس میں عدل ہوتی ہے اور اس کے نفاذ کی طاقت بھی۔

پیغمبر علیھم السلام معاشرے میں امر بالمعرف ونھی عن المنکر کیلئے مبعوث ہوئے۔ امر بالمعروف ونھی عن المبکر کا یہی فریضہ پوری انسانیت کو سونپا گیا۔ اسی حوالے سے اس آخری امت کی بعثت کا بنیادی مقصد امر بالمعروف ونھی عن المنکر ہی قرار دیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

کنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر" (۳)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے کیلئے مبعوث کئے گئے ہو۔

نواب صدیق حسن خان رقمطراز ہیں:

"قد اتفق المسلمون أجمعون على وجوب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وقالوا: انهما عمادان الأعظمان من أعمدة هذا الذين وانهما واجبان على كل فرد من افراد المسلمين وجوباً وضيقاً فالقاضى القادر على الحكم بالحق والعدل وبما انزل الله. واذا امتنع من الدخول فى القضاء فقد أهمل ما أوجبه الله تعالىٰ عليه من الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وترك أعظم ما أوجبه الله تعالى على عباده وأهم ما كلفهم به " (٤)

ترجمہ: تمام مسلمان امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے وجوب پر متفق ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ اس دین کے ستونوں میں سے دو بڑے ستون ہیں اور مسلمانوں میں سے ہر فرد کے اوپر انتہائی طور پر فرض ہیں۔ پس قاضی مبنی برحق، عدل کے ساتھ اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم دینے کا مجاز ہے۔ قضاء کو قبول کرنے سے انکار کی صورت میں وہ اللہ کی جانب سے عائد کردہ امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے فریضہ سے غفلت برتتا ہے اور اس اہم ترین فرض کو ترک کرتا ہے جس کا اللہ نے اپنے بندوں کو مکلّف بنایا ہے۔

امر بالمعروف ونھی عن المنکر کا مقصد معاشرہ کو عدل پر قائم کرنا ہے جبکہ عدل کے قیام کیلئے قضاء ایک وسیلہ ہے۔ قضاء کے بغیر عدل کا قیام نہ صرف مشکل ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن بھی۔ قضاء ہی کے ذریعے صحیح وغلط، جائز و ناجائز اور حق و ناحق کو ایک دوسرے سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ ضرورت ہے جس سے قضاء کی افادیت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ظالم کو ظلم سے روکنا، قوی اور ضعیف کے تنازعی امور کو نمٹانا، یہ اور اس جیسے بے شمار امور ایسے ہیں جو کہ ادارے کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ اسلام اس مقصد کے حصول کیلئے خاطر خواہ انتظام کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو جائز و ناجائز، حق اور ناحق کی تعلیم بھی دیتا ہے اور اس سلسلے میں اپنے ضابطے کے نفاذ کی ذمہ داری بھی ان پر عائد کرتا ہے۔

اس حوالے سے منصب قضاء وہ فرض حکم ہوا جو کہ اقامت فرض کیلئے لازم کیا گیا ہے اسلامی معاشرے میں ان مقاصد کے حصول کیلئے امام یا حاکم کا تقرر واجب قرار دیا گیا ہے جبکہ امام ریاست کے جملہ امور کی انجام دہی بذات خود نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیارات میں سے بعض اختیارات دوسروں کو سونپے۔ ان سونپے جانے والے امور میں سے اہم ترین امر منصب قضاء ہے اس لئے کہ اس سے لوگوں کے درمیان عدل قائم ہوتا ہے۔ اور عدل کا قیام حکومتِ وقت کے اولین فرائض میں شمار ہوتا ہے۔

معاشرہ میں عدل اس وقت قائم ہوتا ہے جب ہر مستحق کو شریعت کے مطابق اس کا حق دیا جائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ قیام عدل کا فریضہ بھی سونپا گیا تھا۔ ارشاد بانی ہے۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النان بالقسط" (٥)

ترجمہ: ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

یہاں میزان سے مراد وہ معیار حق و باطل ہے جو ٹھیک طرح سے ترازو کے پلڑے برابر کردے۔ عدل و انصاف کے حوالے سے لوگوں کے جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ کیلئے قضاء وہ واحد ادارہ ہے جو اگر خدا کے دئے ہوئے ضابطے اور قانون کے مطابق چلایا جائے تو معاشرہ جنت ارضی بن سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"کان الناس امۃ واحدۃ فبعث الھہ النبیین مبشرین و منذرین وانزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوفیہ" (٦)

ترجمہ: ابتداء میں لوگ ایک ہی طریق پر تھے (پھر اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو

راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے۔ اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے مابین جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کریں"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اسکی رہنمائی فرمائی۔ اسے معروف ومنکر میں فرق واضح کیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"فالهمها فجورها و تقواها" (۷)

ترجمہ: پھر اسکی بدی اور اسکی پرہیزگاری اسپر الہام کردی"۔

اسی طرح ارشاد ہوا۔

"وهدينة النجدين" (۸)

ترجمہ: اور ہم نے اسے خیر وشر کے دونوں نمایاں راستے دکھادیے۔

خداوند تعالیٰ نے انسان پر یہ احسان عظیم کیا کہ اسے منظم اور مربوط زندگی گزارنے کے تمام طور طریقے بتادیئے اور اسے مخمصے میں نہیں رہنے دیا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

"انا هدينه السبيل إما شاكراً وإما كفوراً" (۹)

ترجمہ: ہم نے اسے سیدھا راستہ دکھادیا ہے۔ اب چاہے وہ شاکر بن کر رہے یا کافر بن کر رہے۔

اسلام نے بدلتے ہوئے حالات اور زمانوں کی رعایت کا بھی خیال رکھا ہے اور اس کی ضروریات اور احتیاجات کے مطابق تجدید، توثیق اور تحکیم کا بھی اہتمام بھی کیا۔ تاکہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اسے کسی قسم کی دقت یا دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ضرورت اور اہمیت قضاء:

انسان فطری طور پر اجتماع پسند ہے۔ اور معاشرے سے الگ تھلگ رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہ معاشرے کا محتاج ہے۔ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں "اجتماع انسانی ایک ضروری اور ناگزیر شے ہے اسے حکماء اپنی اصطلاح میں "مدنی الطبع" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرے کی ایک اکائی کی حیثیت سے اسکے ساتھ منسلک رہے اور اپنی حاجات اور ضروریات زندگی اس معاشرے کے اندر رہتے ہوئے ایک دوسرے کے تعاون سے پورا کرے۔ یہ بھی یاد رہے کہ معاشرے کے اندر رہتے ہوئے مختلف امور کی انجام دہی میں معاشرے کی دوسری اکائیوں کے ساتھ اس کے اختلافات ایک فطری امر ہیں اور بعض اوقات ناگزیر بھی۔ اس میں ایک دوسرے کے حقوق، معاملات، حق وناحق، صحیح وغلط، قوت وضعت، اطاعت وعدم اطاعت اختلاف ومفاہمت جیسے تمام امور شامل ہیں۔ اپنی محدود ذرائع معلومات سے جائز وناجائز یا صحیح وغلط کا فیصلہ کرنا

اس کے لئے دشوار ہے جبکہ ان، تنازعات واختلافات کوحل کئے بغیر زندگی اس کیلئے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔(۱۰)

جناب غلام مرتضی آزاد اپنی کتاب ''The Judicial System of Islam'' میں رقمطراز ہیں۔(۱۱)

> "The comission of errors is inherent in human nature. This leads to Comision of wrong, that effect the rights of the people and some times cause breach of peace in the society. The clashes of interests creates disputes among them. It requires an authority to decide their disputes. Hence the people resort to arbitrament so that peace and prosperity may prevail. This function of administration of justice is called Qada in the terminalogy of Islamic Law".

ترجمہ: ''غلطیوں کا ارتکاب جبلت انسانی میں ہے یہی جبلت اسے ناجائز کام پر ابھارتی ہے جب سے لوگوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔بعض اوقات معاشرے کا امن اسی وجہ سے تہہ وبالا ہو جاتا ہے۔مفادات کا ٹکراؤ ان کے درمیان تنازعات پیدا کردیتا ہے۔ان کے تنازعات کے حل کے لئے ایک بااختیار طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔لوگ امن وسکون کے قیام کے لئے ثالثی کی طرف لپکتے ہیں۔عدل وانصاف کا یہی طریقہ اسلامی قانون کی اصطلاح میں قضاء کہلاتا ہے۔''

جب کبھی معاشرہ افراتفری کا شکار ہو۔لوگوں میں اختلافات رونما ہوں صحیح اور غلط کا تعین مشکل ہو جائے جائز وناجائز کا فیصلہ کرنے والا کوئی نہ ہو۔تو ایسے میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت انتہائی شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے جو باہمی تنازعات اور اختلافات کوختم کرے اور معاشرے کی بدنظمی اور بگاڑ کو درست کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو۔

ڈاکٹر ناصر بن عقیل الطریفی فرماتے ہیں۔

"منذ ان خلق الله الانسان واوجده على هذه الارض لم نجد

ولم نعلم ان احدا استغنى بمفرده عن الناس الاخرين فقام

بجميع مصالحه وحاجاته وحده. فالانسان لا بدمن جماعة

يعيش ويتعاون وايا ها. فالاجتماع الانسانی ضروری" ویعبر عن هذا الحكماء بقولهم: الانسان مدنی بالطبع، والجماعة لا تكون مجتمعاً الا اذا اصبحت بينهم روابط اسرية ومالية وسياسية و غير ها وهذه الروابط والعلائق لا بد ان يكون لها تنظيم حتى تنضبط الامور و يكون واضحة وإلا سادت الفوضى و عم الدمار وانهار صرح الجماعة ولم يتحقق المجتمع، واكل القوى الضعيف فالنفوس متباينة النزعات والا هواء فمنها من لا يلتزم جانب الحق ولا يعرف معنى العدل" (۱۲)۔

ترجمہ: جب سے اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کی ہے اور اسے زمین پر بسایا ہے کسی فرد کی دوسرے افراد سے الگ تھلگ اور بے پرواہ رہنے کی مثال نہیں ملتی۔ کہ اس نے اپنے تمام مصالح اور حاجات خود پورے کئے ہوں۔ پس انسان کے لئے معاشرے کے ساتھ رہنے اور تعاون کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرے کی ضرورت مسلم رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے حکماء انسان کامدنی الطبع ہونا ثابت کرتے ہیں۔ کوئی بھی جماعت اس وقت تک مجتمع نہیں رہ سکتی جب تک کہ ان میں خاندانی، مالی، سیاسی اور دوسرے رابط پیدا نہ ہوں۔ ان کے تعلقات اور روابط کیلئے تنظیم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تاکہ ان کے معاملات واضح طور پر منضبط ہوسکیں ورنہ افراتفری اور خون خرابہ ہوگا جماعت بکھر جائے گی۔ اور معاشرہ کبھی بھی منضبط نہیں ہو سکے گا۔ ایسے میں طاقتور ضعیف کو کھا جائے گا۔ کیوں کہ لوگ مختلف طبائع اور خواہشات کے پتلے ہوتے ہیں۔ انہی میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو حق کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی عدل کا معنی جانتے ہیں۔

ارشاد خواوندی ہے۔

"يا داؤد انا جعلناك خليفة فی الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى" (۱۳)

ترجمہ: اے داود (علیہ السلام) ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

اسی طرح پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو حکم دیا۔

"فاحكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم عما جائك من الحق" (١٤)

ترجمہ: لہذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمھارے پاس آیا

ے اس سے منہ موڑ کر ان خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

اسلام کی آخری کتاب قرآن کریم نے جگہ جگہ ظلم کی ناپسندگی کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا ہے۔

ارشاد بانی ہے۔

"وان الظلمین بعضهم اولیاء بعض والله ولی المتقین" (١٥)

ترجمہ: ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ (دوست) ہیں جبکہ متقیوں کا ساتھی (دوست) اللہ ہے۔

اسی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو ایک دوسرے کا دوست قرار دیکر متقیوں کا ان سے الگ کر یہ اور انہیں اپنی دوستی میں لے آئے۔

ارشاد بانی ہے۔

"انه لا یحب الظالمین ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما علیهم
من سبیل انما السبیل علی الذین یظلمون الناس "ویبغون فی
الارض بغیر الحق اولك لهم عذاب الیم" (١٦)

ترجمہ: اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جا سکتی ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

سورة الکهف میں ارشاد ہوا۔

"أما من ظلم فسوف نعذبه ثم یرد الی ربه فینعذبه عذابا نکرا" (١٧)

ترجمہ: جو ان میں سے ظلم کرے گا ہم اسے سزا دیں گے پھر اسے اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا اور وہ اسے اور زیادہ سخت عذاب دے گا۔

علامہ ابن حزم ظلم کے وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ولا یحل الحکم الا بما انزل الله تعالی علی لسان رسول الله
ﷺ وهو الحق وکل ماعدا ذلك فهو جور و ظلم لا یحل الحکم به
یفس ابدا ازا حکم به حاکم" (١٨)

ترجمہ: فیصلہ تو جائز ہی وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس کے مطابق ہو وہی حق ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ ناانصافی اور ظلم ہے اس کے مطابق حکم ناجائز ہے اگر حاکم نے اس کے مطابق حکم دیا تو وہ مفسوخ ہے۔

کتاب الٰہی سے ظلم کی ناپسندیدگی سے متعلق یہ ایک مختصر سی جھلک ہم نے پیش کی۔ قرآن کریم اپنے

ماننے والوں کوظلم سے دور رکھنے کیلئے ظلم کے تمام پہلووں کواجاگر کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابوفارس کہتے ہیں۔

"ومن هذا لا بد من ردع الظالم عن ظلمه والا نتصاف للضعيف من القوى وتوضح وجه الحق عند لبسه وهذا لا يتحقق الا بوجود قاض يحكم بين الناس فى خصوماتهم ومنازعاتهم... لهذا كانت وطيفة القاضى فى الاسلام وغيره من الشرائع الربانية فريضة شرعية وضرورة انسانية (١٩)

ترجمہ: یہیں سے ثابت ہوا کہ ظالم کوظلم سے روکنے، طاقتور سے ضعیف کا حق لینے اور اشتباہ کی صورت میں حق کوظاہر کرنے کی اہمیت سے انکارنہیں اور یہ تمام (امور) قاضی کے وجود کے بغیرممکن نہیں جوکہ انکے مابین ان کے لڑائی جھگڑوں کوفیصلہ کرے۔۔۔لہذا اسلام میں اور اسلامی شرائع کے حوالے سے قضاء شرعی فریضہ اور انسانی ضرورت ٹھہرتا ہے۔

صاحب المر افعات الشرعيه لکھتے ہیں۔

"والقضاء هو السلطة التى تفصل فى الحقوق عند الا ختلاف، وتلزم الناس بالعدل ولا يتصور ان يكون الناس ملائكة لا تظالم ولا اعتداء بينهم... فما رأينا ولا سمعنا عن امة تركت امورها فوضى ازا الخصومة من لوازم الناس وطبيعة البشر" (٢٠)

ترجمہ: قضاء اس بااختیار طاقت کا نام ہے جواختلاف کی صورت میں حقوق واضح کرتی ہے۔ اور عدل کے ذریعے ان کولوگوں پر لازم کرتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ لوگ فرشتے بن جائیں اور ایکدوسرے پرظلم اور زیادتی نہ کریں ہمارے خیال میں کسی بھی قوم نے امور زندگانی کوطوائف الملو کی حالت میں نہیں چھوڑا۔ جب کہ لڑائی جھگڑے انسانی زندگی اور جبلت بشریہ کا حصہ ہیں۔"

دنیاوی زندگی میں امن و امان، قانون کی حکمرانی، عدل و انصاف کی ضرورت و اہمیت سے کوئی بھی متمدن قوم انکارنہیں کرسکتی۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے وہ انسانی احتیاجات اور ضروریات کومدنظر رکھتے ہوئے رسولوں کے ذریعے مظلوموں کی دادرسی، قانون کی حکمرانی، مستند اور قابل عمل اخلاقی نظام کیلئے رہنما اصول فراہم کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اور اپنی تعلیمات کوحکومتی اور رضا کارانہ دونوں ذرائع سے نافذ کر کے تحفظ دین، تحفظ جان ونسل اور تحفظ عزت و مال کوممکن بناتا ہے۔

اسلام پوری انسانیت کی سلامتی کا ضامن ہے۔ وہ جو قانون دیتا ہے وہ برحق ہے۔ قانون یا ضابطہ جس

کے ذریعے سے دیا گیا ہے وہ قرآن ہے۔ اور قرآن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

"لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید" (۲۱)

ترجمہ: باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے۔ نہ پیچھے سے یہ ایک حکیم کی نازل کردہ ہے۔

چونکہ یہ ایک دانا کی نازل کردہ تعلیمات ہیں ان میں باطل کی ملاوٹ نہیں ہوسکتی اس لئے یہ مکمل طور پر انسانی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کیلئے ایک قابل عمل طریقہ کار بتاتا ہے۔ وہ یہ کہ اسلام انسان سے بامقصد زندگی گزارنے کا خواہش مند ہے۔ انسانی زندگی کو بامقصد بنانے کیلئے اس کے حقوق کے تحفظ کا اہتمام ضروری ہے اس سلسلے میں قضاء ہی وہ طریقہ کار ہوسکتا ہے۔ جس کے ذریعے حقوق کا تحفظ اور اللہ کے قانون کا نفاذ ممکن ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قضاء کو محکم فریضہ قرار دیا گیا۔

امام شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

"ولأن الظلم فی الطباع فلا بد من حاکم ینصف المظلوم من الظالم فان لم یکن من یصلح للقضاء الا واحد تعین علیه ویلز مه طلبه وإذا متنع أجبر علیه لأن الکفایة لا تحصل إلابه" (۲۲)

ترجمہ: اور اس وجہ سے کہ ظلم طبائع انسانی کا خاصہ ہے۔ اسی وجہ سے حاکم مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاتا ہے۔ اگر قضاء کی اہلیت رکھنے والا ایک ہی ہو تو اس پر عہدہ قضاء کی قبولیت فرض ہے اور اس کا طلب کرنا اس پر لازم ٹھہرتا ہے اگر وہ قبولیت سے انکار کردے تو اسے مجبور کردیا جائیگا اس لئے کہ تنفیذ حق کا حصول اسکے ذریعے ہی ممکن ہے۔

صاحب المغنی اسے فرض کفایہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"القضاء من فروض الکفایات لان امیر الناس لا یتقیم بدونه فکان واجباً علیهم کالجهاد والإمامة" (۲۳)

ترجمہ: قضاء فرض کفایہ ہے اس لئے کہ اس کے بغیر لوگوں کے امور سیدھے نہیں ہوسکتے۔ لہذا قضاء امامت اور جہاد کی طرح واجب ٹھہرتا ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں۔

"منصب القاضی فرض لأنه ینصب لإمامة امر مفروض وهو القضاء" (۲۴)

ترجمہ: منصب قاضی فرض ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک فرض شدہ کام سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ہوتا ہے اور وہ ہے قضاء۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

"اعلم بان القضاء بالحق من اقوى الفرائض بعد الايمان بالله تعالىٰ وهو من اشرف العبادات لا جله اثبت الله تعالى لآدم عليه السلام اسم الخلافة فقال جل جلاله " انى جاعل فى الارض خليفة" واثبت ذلك داؤد عليه السلام فقال عزوجل " ياداؤد انا جعلناك خليفة فى الارض" وبه امر كل بنى مرسل حتى خاتم الانبياء عليهم الصلوة والسلام قال " انا انزلنا التورلة فيها هدى ونور يحكم بها النبييون" وقال الله تعالى " وان احكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهوائهم" وهذا لأن فى القضاء بالحق اظهار العدل وبالعدل قامت السموت والارض"(٢٥)

ترجمہ: جان لو کہ حق کہ ساتھ فیصلہ ایمان باللہ کے بعد اہم ترین فرائض اور اہم ترین عبادات میں سے ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کیلئے خلیفہ کا لفظ اختیار فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''میں زمین میں خلیفہ بنا کر بھیج رہا ہوں اسی طرح اللہ عزوجل نے داؤد علیہ السلام کیلئے بھی یہی لفظ اختیار کرتے ہوئے فرمایا ''اے داؤد ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا۔'' اور یہی حکم ہر نبی اور رسول کو دیا۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء ﷺ کو بھی یہی حکم ملا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ہم نے توریت کو نازل کیا اسمیں ہدایت ہے اور روشنی بھی'' انبیاء اس سے فیصلے کرتے ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''اور تم ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور ان کے خواہشات کی پیروی مت کرو'' اور اس وجہ سے کہ حق کے ساتھ فیصلہ میں عدل کا اظہار ہوتا ہے۔ اور عدل ہی کی وجہ سے زمین و آسمان (کائنات کے نظام) قائم ہیں۔

قضاء کی یہی ضرورت اور اہمیت اسے فرض قرار دینے کا موجب بنی اس کی اہمیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خط سے واضح ہوتی ہے جو کہ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا۔ اس خط کا آغاز اس طرح سے فرمایا:

"فان القضاء فريضة محكمة و سنة متبعة" (٢٦)

ترجمہ: ''نظام قضاء کا قیام ایک محکم فریضہ ہے اور ایسی سنت ہے جس کا ہمیشہ سے اتباع کیا گیا ہے۔''

حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین، تابعین اور تبع تابعین نے یہ فریضہ اسی انداز میں انجام دیا۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں۔

"واجمع المسلمون على مشروعية نصب القضاء والحكم بين الناس"(٢٧)

ترجمہ: مسلمانوں کا منصب قضاء کی مشروعیت اور لوگوں پر اسکے فیصلوں کے نفاذ پر اجماع ہے۔

البتہ اہل خوارج میں سے بعض منصب امامت اور منصب قضاء کے اس لئے قائل نہیں کہ ان کے خیال میں چونکہ دین کے احکام لازم ہیں جب وہ ان کی بجا آوری کر لیتے ہیں تو پھر قاضی اور حاکم کو ان کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوسکتی۔

یہ افلاطون کی خیالی دنیا کا یا کارل مارکس کی Stateless Society کا تصور تو ہوسکتا ہے۔ کہ انسان ازخود قانون کی پابندی کرے گا۔ اور دوسرے کے ساتھ ظلم و ناانصافی کا مرتکب نہیں ہوگا اور بغیر کسی مرکزیت کے وہ ایک دوسرے کے دست برد سے محفوظ ہوں گے اور ان کے معاملات چلتے رہیں گے۔ لیکن اس عملی دنیا میں اسکی مثال ناممکن ہے۔ یہاں تو ''ظلوما'' ''جھولا'' جیسے انسان بستے ہیں نہ کہ فرشتے جن کا طعام، قیام، کلام اور معاملات زن وشو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ وہ اختلاط مع الانام سے واقف ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ناصر بن عقیل فرماتے ہیں:

"والـو اقع الفعلی من حیاة الناس فان طباع البشر مجبولة علی التـظـالم و منع الحقوق المفطورة علی التنازع والتخاصم و قل مـن ینصف الناس من نفسه بالنزول علی حکم الحق والعدل اذا کان الامر کذلك فلا بد من نصب الائمة والقضاء" (۲۸)

ترجمہ: انسانی زندگی کا امر واقعہ یہ ہے۔ کہ انسانی طبعیت میں جبلی طور پر ظلم، حقوق کی خلاف ورزی اور فطری طور پر تنازعات اور جھگڑے موجود ہیں۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو از خود حق وعدل سے لوگوں میں انصاف کرتے ہیں جب معاملہ ایسا ہی ہو تو پھر حاکموں اور قاضیوں کے مناصب (کی ضرورت) سے کوئی مفر نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قضاء انبیائے کرام علیہم السلام کی وہ سنت ہے جسکی وضاحت واہمیت قرآن کریم نے جگہ جگہ بیان فرمائی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تنازعات نمٹانے کا حکم ملا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

"فـلـذلك فـادع واستـقم کما امرت ولا تتبع أھواء ھم وقل امنت بما انزل الله من کتاب وامرت لا عدل بینکم" (۲۹)

ترجمہ: اس لئے اے محمد ﷺ اب تم اسی دین کی طرف دعوت دو اور تمھیں جو حکم دیا گیا ہے اسی پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو۔ اور ان سے کہہ دو کہ میں اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں میرے سپرد یہ کام کیا گیا ہے۔ کہ میں لوگوں کے درمیان انصاف کروں اور ان کی بے اعتدالیوں ور بے انصافیوں کا خاتمہ کر دوں جو تمہاری زندگیوں اور اور تمھارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔۔۔۔ میں خدا کا مقرر کیا ہوا قاضی اور جج ہوں، تمھارے درمیان انصاف کرنا میری ذمہ داری ہے۔'' (۳۰)

ارشاد باری ہے۔

"وما اختلفتم فيه من شی فحكمه الى الله" (۳۱)

ترجمہ: اور تمہارے درمیان جس معاملے میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کا کام ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"العلم ثلاثة و ما خلافهو فضل علم آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة" (۳۲)

ترجمہ: علم تین چیزوں پر مشتمل ہے قرآن کریم کا علم، سنت رسول یا عدل کا فریضہ (قضاء) جو اسکے علاوہ ہے وہ زائد ہے۔

قضاء کے قیام سے معاشرہ پر جو مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا جائزہ علامہ علاؤلدین الطرابلسی نے کچھ اس طرح سے لیا ہے۔

"واما حكمته فرفع التهارج ورد النوائب وقمع الظالم و نصر المظلوم و قطع الخصومات والأمر بالمعروف النهى عن المنكر" (۳۳)

ترجمہ: قضاء کی حکمت یہ ہے کہ اس کے قیام سے معاشرہ سے افراتفری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مصائب اور مشکلات رفع ہو جاتے ہیں۔ ظالموں، سرکشوں اور حق چھیننے والوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ مظلوم کی مدد ہو جاتی ہے تنازعات اور خصومات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں علامہ ابن قدامہ ایک جامع تقریر میں فرماتے ہیں۔

"وفيه فضل عظيم قوى على القيام به و أداء الحق فيه ولذلك جعل الله فيه أجراً مع الخطاء واسقط عن حكم الخطاء ولان فيه امراً بالمعروف ونصرة المظلوم و أداء الحق الى مستحقه ورداً للظالم عن ظلمه واصلاحا بين الناس و تخليصاً لبعضهم من بعض و ذلك من ابواب القرب ولذلك تولاه النبى ﷺ والانبياء قبله فكانو ايحكمون لا ممهم" (۳۴)

ترجمہ: اور جولوگ عدل کے قیام اوراس میں حق کی ادائیگی کی طاقت رکھتے ہیں ان کیلئے اس میں بہت بڑی فضیلت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں غلطی کے ساتھ بھی اجر مقرر فرمایا۔ اور نادانستہ غلط فیصلہ کرنے سے سزا معاف فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں امر بالمعروف، مظلوم کی مدد، مستحق کو اس کا حق دلانا، ظالم کو ظلم سے روکنا، لوگوں کے درمیان اصلاح اور لوگوں کو ایک دوسرے کی دست درازی سے نجات دلانا شامل ہیں۔ اور یہی قرب الٰہی کی صورتیں ہیں اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اور ان سے قبل انبیاء علیہم السلام اس منصب پر مامور رہے اور اپنی اپنی امتوں کے فیصلے کرتے رہے۔

ہم لغت کے دو مشہور اماموں، علامہ ابن منظور اور علامہ زمخشری کو مدنظر رکھ کر قضاء کے لغوی معنی تلاش کرنے کی سعی کرتے ہیں ان دونوں ماہرین لغت کے مطابق قضاء کے درج ذیل معانی بنتے ہیں۔ (۳۵)

قضاء کے معنی کا استشہاد قرآن کریم سے:

۱۔ قضاء بمعنی "بنانا اور اندازہ کرنا" ارشاد خداوندی ہے۔

"فقضاهن سبع سموات في يومين" (٣٦)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو دو دن میں بنایا۔

۲۔ قضاء بمعنی "لزوم کے" ارشاد خداوندی ہے۔

"فلما قضينا عليه الموت" (٣٧)

ترجمہ: "جب ہم نے اس پر موت لازم کردی"

۳۔ قضاء بمعنی حکم دینے ادائیگی/پہنچانے کے ارشاد خداوندی ہے۔

"وقضى ربك الا تعبدوا إلا اياه" (٣٨)

ترجمہ: اور تمھارے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت مت کریں۔

۴۔ قضاء بمعنی "ادائیگی" کے چنانچہ ارشاد ہے۔

"فاذا قضيتم منا سككم فاذكرو االله" (٣٩)

ترجمہ: جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔

۵۔ قضاء بمعنی موت یا ہلاکت کے، ارشاد ہے۔

"فوكزه موسىٰ فقضى عليه" (٤٠)

ترجمہ: تو موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا تو وہ ہلاک ہوا۔

۶۔ قضاء فراغت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ارشاد بانی ہے۔

"فلما قضى زيدا منها وطراً زوجنكها" (٤١)

ترجمہ: جب زید نے اس سے پوری کر لی (طلاق دے دی) تو ہم نے ان (حضرت زینبؓ) کو آپ کے نکاح میں دے دیا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"قضی الامرالذی فیه تستفتیان" (٤٢)

ترجمہ: یہ بات تو پوری (مقدر) ہو چکی ہے جس میں تم دریافت کرتے تھے۔

۷۔ قضاء کسی کام کو جاری رکھنے کے سلسلے میں بھی آیا ہے۔ارشاد ہے۔

"و منهم من قضی نحبه و منهم من ینتظر" (٤٣)

ترجمہ: ان میں سے بعض نے تو اپنی ذمہ داری کو پورا کر دکھایا (جان بحق ہو گئے) اور بعض وہ ہیں جو (شہادت کے) منتظر ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

"ثم اقضوا الی و لا تنظرون" (٤٤)

ترجمہ: پھر (سب مکروہ تدبیریں) میرے سامنے کر گزرو اور مجھے (قطعی) مہلت نہ دو۔

۸۔ قضاء ارادہ کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

"اذا قضی امراً فانما یقول له کن فیکون" (٤٥)

ترجمہ: اور جب وہ کوئی (ارادہ) کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو یہی فرماتا ہے کہ "ہو جا" تو ہو جاتا ہے۔

۹۔ قضاء بمعنی تقدیر (قضاء وقدر) کے۔ارشاد خداوندی ہے۔

"وکان امراً مقضیاً" (٤٦)

ترجمہ: اور یہ مقدر ہو چکا تھا۔

۱۰۔ قضاء فیصلہ کرنیکے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے ارشاد بانی ہے۔

"وقالو لن نوثرك علی ما جاء نا من البینت والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحیوة الدنیا" (٤٧)

ترجمہ: وہ بولے ہم ان صاف دلائل کے مقابلے میں جو ہم کو مل چکے ہیں اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے (اس کی قدرت کاملہ کے سامنے) ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے پس تجھ کو جو کرنا ہے کر گزر جو تو کرے گا اسی دنیا کی زندگی میں کرے گا۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

"والله یقضی بالحق والذین یدعون من دونه لا یقضون بشئی" (٤٨)

ترجمہ: اللہ تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اللہ کے سوا جن کو یہ (کافر) پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

علامہ راغب الاصفہانی فرماتے ہیں۔

"القضاء فصل الامر قولا کان ذلك او فعلاً" (۴۹)

ترجمہ: قضاء سے مراد کسی چیز کا فیصلہ کرنا ہے چاہے قولی ہو یا فعلی۔

صاحب لسان الحکام فرماتے ہیں۔

"القضاء فی اللغة عبارة عن اللزوم ولهزا سمی القاضی قاضیا لأنه یلزم الناس و فی الشرع یراد بالقضاء فصل الخصومات وقطع المنازعات" (۵۰)۔

ترجمہ: قضاء لغت میں لزوم سے عبارت ہے۔ اور قاضی کو قاضی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں پر حکم لازم کرتا ہے جب کہ شرع میں قضاء کے ذریعے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے۔

قضاء اصطلاحی معنوں میں:

مختلف فقہائے کرام نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں اصطلاحی قضاء کی تعریف کی ہے۔ لیکن لب لباب ان سب کا ایک ہی ہے۔ حنفی فقہا، کی تعریف اس طرح ہے۔

"انهاء الخصومات و قطع المنازعات علی وجه خاص" (۵۱)

ترجمہ: لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کو ایک خاص طریق سے ختم کرنا۔

"هو فصل الخصومات و قطع المنازعات علی رجه خاص من ولایة عامه" (۵۲)

ترجمہ: کسی حکومتی عہدے سے حاصل ہونے والے خاص اختیار کے ذریعے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کو ختم کرنا قضاء کہلاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔

"وفی الشرع یرادبه الالزام ویقال له الاحکم لما فیه منع الظالم دن الظلم" (۵۳)

ترجمہ: شریعت میں اس (قضاء) سے مراد لزوم ہے جو حکم کہلاتا ہے اس لئے کہ اس میں ظالم کو ظلم سے روکا جاتا ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی کے نزدیک اصطلاحی قضاء کی تعریف کچھ اس طرح سے ہے۔

"حقيقة القضاء الاخبار عن حكم شرعى على سبيل الالزام" (٥٤)

ترجمہ: "قضاء کی حقیقت کسی واجب العمل شرعی حکم کی خبر دینا ہے"

شوافع کے ہاں اس کی تعریف اس طرح ہے۔

"الالزام فيمن له ولاية الالزام بحكم الشرع فى الوقائع الخاصة" (٥٥)

ترجمہ: "مخصوص معاملات میں قاضی یا حاکم کے شرعی حکم کا نفاذ"

حنابلہ نے اصطلاحی قضاء کی تعریف یوں کی ہے۔

"تبيين الحكم الشرعى والالزام به" (٥٢)

ترجمہ: شرعی حکم کی وضاحت اور اس کا لازم کرنا۔

علامہ کاسانیؒ اسے "الحکم بین الناس بالحق" "لوگوں کو مابین حق کے ساتھ فیصلہ کرنا" قرار دیتے ہیں۔(۵۷)

خلاصہ کلام کے طور پر ہم ڈاکٹر عبدالقادر کا قول نقل کرتے ہیں جو کہ ان تمام تعریفات کا احاطہ کرتا ہے جو کہ زیر بحث آ چکی ہیں۔فرماتے ہیں۔

"ان القضاء هو الزام المتخاصمين والناس جميعاً بالحكم الشرعى و تنفيذه عليهم" (٥٨)

ترجمہ: فریقین مقدمہ اور تمام لوگوں پر حکم شرعی کے لزوم اور ان پر اسکے نفاذ کو قضاء کہا جاتا ہے۔

قضاء قرآن کریم کے حوالے سے:

ہم بیان کر آئے ہیں کہ معاشرے میں عدل ہی کے قیام سے لوگوں کے جان و مال، عزت و آبرو اور حقوق کا تحفظ ممکن ہوسکتا ہے۔اور عدل کا قیام قضاء کے ادارے کے بغیر ناممکن ہے۔اسلامی تعلیمات نے اسے فرض قرار دیکر اسکی اہمیت اور بھی واضح کر دی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ بنفس نفیس اس محکم فریضے کو انجام دیا اور اس مقصد کیلئے ایک ادارے کی حیثیت سے اسکی بنیاد رکھی۔مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی رسول اکرم ﷺ کو اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود فیصل ٹھہرایا۔ہجرت کے بعد یہود کے جن تین قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریضہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہوا جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسکی ایک شق یہ بھی تھی کہ جب کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائیگا۔(۵۹)

اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیائے کرام علیہ السلام کی طرح رسول اکرم ﷺ کو بھی اپنے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنیکا فریضہ سونپا۔چنانچہ ارشاد ہوا۔

"*انا انزلنا الیك الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك الله*" (٦٠)

ترجمہ: ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی تا کہ جو راہِ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے اس کے مطابق تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو'۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو احکامات خداوندی کا نفاذ قرار دیکر انہیں یہ فرض سونپا کہ وہ لوگوں کے تنازعات میں ان کے فیصلے احکامات الہیہ کے مطابق کریں اور لوگوں پر یہ بات واضح کردی کہ رسول ﷺ کا جو بھی فیصلہ ہوگا۔ اسے صدق دل سے تسلیم کر کے اس پر عمل درآمد کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو مسلمانوں میں سے نہیں رہو گے۔

خداوند ذوالجلال کا ارشاد ہے:

"فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً بما قضیت ویسلموا تسلیما" (٦١)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ (لوگ) کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں آپکو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو۔ اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کرتے ہوئے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں۔

اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر عمل درآمد کی تلقین کی گئی ہے۔ اور دوسری طرف ان کے فیصلے پر دلوں میں کسی قسم کی کدورت اور تنگی نہ لانے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ لوگ اپنے تمام اختلافات اور تنازعات اللہ اور اسکے رسول کی مرضی کے مطابق خوش اسلوبی کے ساتھ حل کرنے کے قابل ہوسکیں۔ کیونکہ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی عدالت کے حکم کو تو مان لیتا ہے لیکن دل میں ایک کھٹک ضرور باقی رہتی ہے پھر وہ اس سے بڑی عدالت میں جا کر اپیل بھی دائر کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو صحیح اور بامقصد زندگی گزارنے کیلئے ایک ضابطہ فراہم کردیا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اپنے تمام امور اسی ضابطے کے مطابق انجام دیتے رہو۔ جو لوگ اللہ کے بتائے اس ضابطے کے مطابق زندگی نہیں گزارتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تین درجات بتائے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

١۔ "ومن لم یحکم بما أنزل الله فاولئك هم الکافرون" (٦٢)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

٢۔ "ومن لم یحکم بما أنزل الله فاولئك هم الظالمون" (٦٣)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔

٣۔ "ومن لم یحکم بما أنزل الله فاولئك هم الفاسقون" (٦٤)

ترجمہ: اور جواللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔

مسلمانوں پر خداوند ذوالجلال نے یہ بات لازم کر دی ہے کہ وہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ کے بتائے ہوئے ضابطے اپنائیں۔ اوران کے علاوہ دوسرے تمام ضابطے نا قابل قبول قرار دے کر سب کو طاغوت کہا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

" قد تبين الرشد من الغيّ فمن يكفر بالطاغوت و يؤ من بالله
فقد استمسك العروة الوثقى لا انفصام لها" (٦٥)

ترجمہ: ہدایت گمراہی سے ممیّز کر دی گئی ہے جس نے طاغوت (اللہ کے نظریے کے علاوہ دوسرے نظریات) کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس مظبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں"

علامہ ابن قیم طاغوت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" والطاغوت كل ما تجاوز به العبدحدّه من المعبود او متبوع او
مطاع، فطاغوت كل قوم من يتحاكمون اليه غير الله و رسوله
أو يعبدونه من دون الله أو يتبعونه على غير بصيرة من الله ،
او يطيعونه فيما لا يعلمون انه طاعة لله"

ترجمہ: طاغوت ہر اس شے کو کہتے ہیں۔ جو کی وجہ سے بندہ اپنے حدود سے تجاوز کر کے اپنے معبود متبوع اور مطاع سے سرکشی اختیار کرے۔ پس طاغوت ہر وہ چیز ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ حکم ٹھہرائی جائے یا اللہ کے علاوہ اس کے عبدیت کی جائے یا اللہ کی رہنمائی کے بغیر اس کا اتباع کیا جائے۔ یا ناواقفیت کی وجہ سے ان امور میں اس کی اطاعت کیجائے جن (امور) میں اطاعت اللہ کیلئے (مخصوص) ہو۔

مولانا مودودیؒ طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''طاغوت'' لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے۔ جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی وخداوندی کا دم بھرے۔ اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے مالک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اس کا نام طاغوت ہے۔ اور کوئی شخص صحیح معنوں

میں اللہ کا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو'' (٦٧)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظلم کو ناپسندیدہ ٹھرایا ہے۔ دنیا سے ظلم کو مٹانے کیلئے اس نے اپنے محبوب بندوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً قوانین دیئے اور ان کے ذمے یہ فریضہ عائد کیا کہ وہ انسانوں کو اللہ کے قوانین پہنچائیں اور ان پر ان کو نافذ بھی کریں۔ تاکہ لوگ انہیں ضابطوں کے مطابق امن وآشتی کی زندگی گذار سکیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

"الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون" (٦٨)

ترجمہ: امن انہی کیلئے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا''۔

سو خدا نے یہ بات واضح کر دی کہ امن وسکون ان کیلئے ہوسکتا ہے جو اسلامی قوانین کو صدق دل سے اپنے اوپر نافذ کریں۔ اپنی پسند اور ناپسند کو ترک کر دیں کیونکہ تمام امور کے اسرار ورموز خداوند تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں وہی ان کے آغاز وانجام سے پوری طرح واقف ہے اور اسی کے ضابطوں کے نفاذ سے انسانیت ظلم سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وماكان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيره من أمرهم" (٦٩)

ترجمہ: کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو''۔

اس آیت کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے اس کی رو سے کسی مسلمان فرد، قوم، ادارے یا عدالت یا پارلیمنٹ یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اسمیں وہ آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دونوں رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً خدا اور رسول ﷺ کے آگے جھک جانا ہوگا اور جسے نہ جھکنا ہو اسے سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔'' (٧٠)

اس کی مزید وضاحت علامہ ابن کثیر نے کچھ اس طرح سے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"وذلك اذا حكم الله ورسوله بشيء فليس لا حد

مخالفته ولا اختيار لا حد ههنا ولا رأى ولا قول" (۷۱)

ترجمہ: اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ جس کسی معاملے کا فیصلہ کریں تو اس میں نہ تو کسی کو مخالفت کا حق ہے نہ اختیار اور نہ ہی اس میں رائے یا حجت دے سکتا ہے"۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو عدل کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے:

"يا ايها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أوالوالدين والأقربين" (۷۲)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے گواہ بنو اگر چہ تمھارے انصاف کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر کیوں نہ پڑتی ہو"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط ان الله يحب المقسطين" (۷۳)

ترجمہ: "اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان مکمل عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

پہلی آیت میں یہ فرمانے پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ انصاف کی روش پر چلو بلکہ یہ فرمایا کہ انصاف کے علمبردار بنو۔ تمھارا کام صرف انصاف کرنا ہی نہیں ہے بلکہ انصاف کا جھنڈا لے کر اٹھنا ہے۔ تمھیں اس بات پر کمربستہ ہونا چاہیے کہ ظلم مٹے اور اس کی جگہ عدل اور راستی قائم ہو۔ عدل کو اپنے قیام کیلئے جس سہارے کی ضرورت ہے مومن ہونے کی حیثیت سے تمھارا مقام یہ ہے کہ وہ سہارا تم بنو" (۷۴)

عدل و انصاف صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ اس کے دائرہ میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

"يآأيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى" (۷۵)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے"۔

یہاں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھیں اور جو کچھ وہ اس معاملے میں کریں وہ محض خداوندی تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہو اس میں ذاتی مفاد اور ذاتی اور گروہی عناد کا کوئی عمل دخل نہ

ہو۔ بلکہ اس نعمت غیر مترقبہ سے غیر مسلموں کو بھی سرشار کرو۔عدل کے قیام اوراس کی کاملیت کے اعتبار سے ارشاد ہوا۔

"و تمت كلمة ربك صدقا وّ عدلا لامبدل لكلماته و هو السميع العليم" (٧٦)

ترجمہ: ''تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے کوئی اس کے فرامین کو بدلنے والا نہیں وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے''۔

دنیا میں عدل وانصاف اور حق وراستی کے مدعی تو سبھی ہیں لیکن عدل حقیقی اور انصاف کامل اور حق مطلق صرف اللہ کی کتاب اوراس کی شریعت میں ہے جو نا قابل تغیر وتبدیل ہے۔وحی الٰہی سے ہٹ کر جن لوگوں نے عدل وانصاف کے مقاصد کو حاصل کرنا چاہا ہے۔وہ ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے عدل کا تصور ہمیشہ اپنے ناقص خیالات، فاسد قیاسات اور محض وہم گمان کی بنیاد پر قائم کیا اور وہ عدل وانصاف اور حق وراستی کے حقیقی اور کامل مفہوم کا ادراک کرنے سے ہمیشہ قاصر رہے۔ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی پیروی اوران کے ناقص تصورات عدل کا اتباع راہ راست سے گمراہ کرنے کے علاوہ اور کیا کرسکتا ہے''(٧٧)

قضاء سنت رسول ﷺ کے حوالے سے:

رسول اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد تیرہ برس مکہ میں قیام فرمایا اس کے بعد جب ہجرت کا حکم ملا تو رسول ﷺ نے اسلام کے شیدائیوں کے ہمراہ مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کو اپنا مسکن بنایا۔اس ہجرت نے دعوت دین کے کام کو پھیلایا جس کے نتیجے میں متبعین رسول میں اضافہ ہوا۔رسول اکرم ﷺ نے جاتے ہی ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔اس ریاست کے سب سے پہلے قاضی خود رسول اکرم ﷺ تھے۔تبلیغ کا کام جاری رہا۔گرد ونواح کے لوگ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوتے رہے اور وہ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے جس کے نتیجے میں حکومت وسیع ہوتی چلی گئی۔رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کے فیصلے وحی الٰہی کے مطابق کرنے کیلئے اپنے قریبی ساتھیوں میں سے بعض کو قضاء کے امور سونپے اوراس سلسلے میں ان کی تربیت فرمائی۔ان کو فیصلہ کرنے کیلئے ایک بنیادی اصول دیا کہ وہ قانون الٰہی کے منشاء کے مطابق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کے مابین فیصلے کریں۔

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران واذا حكم فاجتهد

ثم أخطأ فله أجر" (٧٦)

ترجمہ: قاضی نے جب اجتھاد کے ذریعے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتھاد سے

فیصلہ کیا اور غلطی کی تو ایک اجر ملتا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے فیصلوں میں وحی الٰہی کو بنیاد اور معیار بناتے اور جس معاملے میں وحی نہ ہوتی اس میں اجتہاد فرماتے۔ چنانچہ فرمایا:

"(إنی) انما أقضی بینکم برأیی فیمالم ینزل علی فیه" (۷۷)

ترجمہ: جن معاملات میں وحی نازل نہیں ہوتی ان کا فیصلہ میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔

ڈاکٹر محمد فاروق النبهان لکھتے ہیں:

"وکان یعتمد فی قضائه علی الوحی اولاً ویعتمد علی الاجتهاد فیما لا وحی فیه" (۷۸)

ترجمہ: "(رسول اکرم ﷺ) اپنے فیصلوں میں سب سے پہلے وحی کو بنیاد بناتے تھے اور پھر جب وحی نہیں آتی تھی تو اجتہاد سے کام لیتے۔

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے قضاء کی اہمیت اور زیادہ واضح صورت میں سامنے آتی ہے جو عبداللہ بن مسعود نے بیان کی ہے۔ فرمایا:

"لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاه الله مالا فسلطه علی هلکته فی الحق وآخر اتاه الله حکمة فهو یقضی بها ویعلمها" (۷۹)

ترجمہ: "دو امور ایسے ہیں جن میں حسد (رشک) کیا جا سکتا ہے: ایک تو اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو اور حق کے راستے میں اس کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہو اور دوسرا اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا اور وہ اسی کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہو اور لوگوں کو اسی کی تعلیم بھی دیتا ہو"۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہتے ہوئے لوگوں کے تنازعات اور اختلافات کو طے کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انہی احکامات کی تعلیم بھی دیتے ہیں تو یہی لوگ دراصل عدل خداوندی کو قائم کرنے والے اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے والے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم ﷺ کے حکم سے ان کی زندگی ہی میں اس فریضے کو شریعت کی منشاء کے عین مطابق انجام دیا۔

صاحب تاریخ القضاة فی الاسلام فرماتے ہیں:

"ولما فتح الله علی المسلمین بعض الا مصار بعث النبی علیه السلام ولاة علیها فکان الوالی هو الحاکم وهو القاضی فبعث معاذ بن جبل الی الیمن و عتاب بن اسید الی مکة فقضوا بین

الناس فی حیاتة ﷺ وعلی هذه الحال سار ابو بکر رضی الله عنه فکان یقضی بین الناس بالمدینة وولاته فی الامصار هم القضاة" (۸۲)

ترجمہ: جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بعض شہروں پر فتح دی تو رسول اللہ ﷺ نے وہاں والی مقرر فرمائے یہ ولی حاکم اور قاضی دونوں حیثیتوں سے کام کرتے تھے۔ چنانچہ معاذ بن جبلؓ کو یمن اور عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فیصلے کئے۔ اسی طرح ابو بکر صدیقؓ بھی مدینہ میں خود لوگوں کے فیصلے کیا کرتے اور مختلف شہروں میں آپ کے والی ہی قاضی ہوا کرتے تھے''۔

رسول اکرم ﷺ نے قضاء کے اصول بھی واضح فرمائے چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"انما أنا بشر وانه یاتینی الخصم ولعل بعضهم أن یکون أبلغ من بعض فأحسب انه صادق فاقضی له فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیحملها اویذرها (۸۳)

ترجمہ: ''میں بھی آخر انسان ہوں۔ میرے پاس مدعی اور مدعی علیہ آتے ہیں سو شاید بعض (لوگ) بعض لوگوں سے زیادہ گویا اور باتونی ہوتے ہیں۔ تو میں گمان کرتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ سو اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ سو جس کو میں کسی مسلمان کا حق دلا دوں تو وہ اس کے حق میں دوزخ کا ٹکڑا ہے۔ چاہے اس کو اٹھا لے چاہے اس کو چھوڑ دے۔

ایک اور روایت میں ہے:

"انما أنا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم أن یکون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی نحوما اسمع منه فمن قضیت له من حق أخیه بشیء فلا یاخذ منه شیئا فانما أقطع له قطعة من النار" (۸٤)

ترجمہ: ''میں بھی ایک انسان ہوں تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور شاید تم میں سے بعض لوگ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ باتونی اور زبان آور ہوتے ہیں سو ان سے جس طرح سنتا ہوں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ سو جس شخص کو اس کے بھائی کے حق سے کچھ کاٹ کر دلا دوں تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ لے وہ سوائے آگ کے ٹکڑے کے اور کچھ نہیں''۔

ان احادیث سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ قاضی ظاہر پر فیصلہ کرتا ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ نے ظاہری

صورتوں کو دیکھ کر فیصلے فرمائے۔اگر کسی کے پاس اپنا جائز حق ثابت کرنے کیلئے ثبوت نہ ہو اور اپنے معاملے کی اچھی طرح وضاحت بھی نہیں کرسکتا اور اس کے مقابلے میں دوسرا آدمی چرب زبان ہو تو حق حقدار کی بجائے کسی اور کو مل سکتا ہے۔اس لئے مسلمانوں کو تلقین کی گی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے نہ لیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

" ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل " (٨٥)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کے اموال آپسمیں باطل طریقے سے مت کھاؤ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

" قضى رسول الله ﷺ بيمين وشاهد " (٨٦)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مدعی کی قسم اور ایک گواہ سے فیصلہ فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

" قضى رسول الله ﷺ باليمين مع الشاهد الواحد " (٨٧)

ترجمہ: رسول ا نے ایک گواہ سے قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

عہدہ قضاء کی حساسیت ونزاکت ترغیب اور ترہیب کے حوالے سے:

قرآن کریم جگہ جگہ اپنے ماننے والوں کو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے نفاذ اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ارشاد بانی ہے۔

فاحكم بينهم بما انزل الله (٨٨)

ترجمہ: لہذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل (٨٩)

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کیساتھ کرو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط (٩٠)

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کیساتھ کرو۔

یہ اور اس جیسی بہت ساری آیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکم دینے کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور اہل افراد پر فرض بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ عدل کے اس فریضے کی انجام دہی بھی کریں۔لیکن جب

اہم احادیث کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں متعارض قسم کی احادیث ملتی ہیں ایک وہ جن میں قضاء کی نزاکت اور حساسیت کی وجہ سے منصب قضاء قبول کرنے سے ڈرایا گیا ہے اور دوسری وہ جن میں عہدہ قضاء قبول کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں سلف کے ہاں بھی دو آراء ملتی ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں منصب قضاء قبول کرنا ''آ بیل مجھے مار'' کے مترادف ہے یعنی منصب قضاء قبول کرنا آخرت خراب کرنے کا باعث بن سکتا ہے اور اس لئے بھی کہ منصب قضاء ایک نہایت دقیق اور مشکل امر ہے۔ اس لئے اس سے اجتناب مستحسن سمجھا گیا جبکہ بعض کے نزدیک اس فریضے کی انجام دہی اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔ ذیل میں ہم ان دونوں امور کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"القضاة ثلثة واحد فی الجنة واثنان فی النار فأما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی به ورجل عرف الحق وجار فی الحكم فهو فی النار ورجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار" (۹۱)

ترجمہ: ''قاضی تین قسم کے ہیں: ایک قسم جنتی ہے اور دو قسمیں دوزخی، سو جنتی وہ شخص ہے جس نے حق پہچان لیا اور اس پر فیصلہ کیا اور دوسری قسم وہ ہے جس نے حق پہچان لیا اور (جان بوجھ کر) حکم میں ظلم کیا یعنی ناحق فیصلہ کیا سو وہ آگ میں جائیگا اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے بے علمی سے فیصلہ کیا سو وہ بھی درزخ میں جائیگا۔

حدیث بالا میں تین قسم کے قاضیوں کا تذکرہ ہے۔ ایک وہ قاضی جو علم اور عدل کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ دین اسلام میں اسی کو فضیلت حاصل ہے۔ وہی آخروی سعادت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ دوسرے دو قسم کے قاضی دوزخ میں ہوں گے ان میں سے ایک حق جانتے ہوئے ناحق فیصلہ کرنے والا اور دوسرا بے علم قاضی جو کہ حق سے غافل ہوتا ہے اور ظلم کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ قیامت کے روز ان کا جو حشر ہوگا اس سے مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ لہذا منصب قضاء کیلئے علم اور راست بازی بھی ضروری ہے اور ظلم سے اجتناب بھی۔ کیوں کہ قضاء کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق ملے اور ظلم کا خاتمہ ہو جبکہ مندرجہ بالا دونوں قسم کے قاضی خود ہی ظلم کا سبب بن جاتے ہیں جو فرد قرآن و سنت میں درک نہ رکھتا ہو اور جائز و ناجائز میں تفریق نہ کر سکتا ہو۔ اسے اگر فیصلہ کرنیکی ذمہ داری سونپ دی جائے تو ظلم کے سوا اور کیا حاصل ہوگا۔؟ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے قاضی کی اہلیت میں حلال وحرام کا علم رکھنا، اجتھاد کر سکنے کی قابلیت کو مستحب اور اس کے ساتھ عقل کو لازم قرار دیا ہے جبکہ محدثین کے نزدیک قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلال وحرام کا علم بھی رکھتا ہو اور درجہ اجتہاد پر بھی فائز ہو'' (۹۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" من جعل قاضياً بين الناس فقد ذبح بغير سكين" (۹۳)

ترجمہ: جسے لوگوں میں قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوا۔

دوسری روایت میں ہے۔

''من ولی القضاء فقد ذبح بغير سكين" (۹۵)

ترجمہ: جس کو منصب قضاء پر مامور کیا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوا۔

امام خصاف اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وهذا لأن السكين توثر فی الظاهر والباطن جميعا والذبح بغير سكين ذبح بطريق الخنق والغم و نحو ذلك وانه يؤثرفی الباطن دون الظاهر فكذا القضاء لا يؤثرفی الظاهر فانه فی الظاهر حياة وو فی الباطن هلاك" (۹۵)

ترجمہ: اس ہلاکت کی وجہ یہ ہے کہ چھری کا اثر ظاہر اور باطن دونوں پر ہوتا ہے حالانکہ چھری کے بغیر بھی کسی کو مارا جا سکتا ہے۔ مثلاً گلا گھونٹ کر یا دم گھونٹے مگر اس کا اثر باطن پر ہوتا ہے ظاہر پر نہیں۔ قضاء کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے ظاہراً تو کوئی اثر نہیں دکھاتا بلکہ بظاہر تو یہ زندگی ہے لیکن باطن میں ہلاکت''۔

اس سلسلے میں دلیل کے طور پا امام خصاف نے حضرت عائشہؓ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے۔

" يجاء بالقاضی العدل يوم القيامة فيلقى من شدة الحساب مايؤد أنه لم يكن قضى بين اثنين " (۹۱)

ترجمہ: ''قیامت کے دن عادل قاضی کو (خدا کے سامنے) پیش کیا جائے گا۔ جس کو اپنے سخت حساب کا سامنا ہوگا۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے فریقین میں کوئی فیصلہ نہ کیا ہوتا''

یہی حدیث مسند احمد بن حنبل میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح مروی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

" لتاتين على القاضی العدل يوم القيامة ساعة يتمنى أنه لم يقض بين اثنين فی تمرة قط" (۹۷)

ترجمہ: ''عادل قاضی کے اوپر قیامت کے روز ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے کبھی فریقین کے درمیان ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا''

مندرجہ بالا احادیث اور اسی طرح اسی مضمون کی دوسری احادیث پیش نظر رکھتے ہوئے ظاہری طور پر جو

اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ یہ کہ قاضیوں کو قیامت کے روز جن تکالیف اور مصائب کا سامنا ہوگا وہ اتنی سخت ہیں کہ بعض محدثین نے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے قضاء سے اجتناب کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ ان محدثین میں امام احمد بن حنبلؒ کا نام بھی شامل ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر عادل قاضی کی باز پرس کی یہی حالت ہوگی تو پھر فریضہ عدل میں کوتاہی کرنے والے قاضی کی کیا حالت ہوگی؟

اس ڈر اور خوف کا اظہار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس جواب سے بھی ہوتا ہے۔ جو انھوں نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو اس وقت دیا تھا جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو منصب قضاء سنبھالنے کا مشورہ دیا۔

عبداللہ بن موھبؓ سے روایت ہے۔

" أن عثمان من عفان قال لا بن عمرؓ اذهب فاقض بين الناس قال أو تعافيني يا أمير المومنين فقال فما تكره من ذلك وقد كان أبوك يقضى قال انى سمعت رسول الله ﷺ يقول من كان قاضياً فقضى بالعدل فبالحرى أن ينقلب منه كفافا (٩٨)

ترجمہ: ''حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے کہا کہ تم جاؤ اور لوگوں کے فیصلے کرو۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا اے امیر المومنین مجھے اس عہدہ سے معاف فرمائیں انہوں نے کہا کہ تم اسے کیوں ناپسند کرتے ہو؟ جبکہ تمھارے والد قاضی رہے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا اس لئے کہ میں رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قاضی ہوا اور انصاف سے فیصلہ بھی کیا پھر بھی اس کیلئے قاضی بننے سے بہتر ہے کہ بقدر ضرورت روزی پر (اگر ممکن ہو تو) گزارا کرے۔

یہ واقعہ شیخ ابو الحسن بن عبداللہ بن الحسین کی کتاب میں مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کی گیا ہے۔

" وقد نقل عن عثمان بن عفان أنه قال لعبد الله بن عمر بن الخطاب " اقض بين الناس قال: " لا أقضى بين رجلين ما بقيت " قال لتفعلن " قال لا أفعل " قال فان أباك كان يقضى ، قال كان أبى أعلم منى و أتقى" (٩٩)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ انھوں نے عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ سے فرمایا۔ کہ تم قاضی بن کر لوگوں کے فیصلے کرو۔ تو انھوں (عبداللہ بن عمرؓ) نے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہیں کروں گا (حضرت عثمانؓ) نے فرمایا: کہ تمھیں کرنا پڑے گا۔ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) نے کہا میں نہیں کرتا۔ فرمایا (حضرت عثمانؓ) نے تمھارے والد تو کیا کرتے تھے۔ کہا (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) نے کہ میرے

والد مجھ سے بڑے علم والے اور پاک باز انسان تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں قسم کی تعلیمات کی روشنی میں عمل درآمد کی نوعیت کیا ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے تو تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کے فیصلے بھی فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہم سب کیلئے نمونہ ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر پیغمبروں نے قضاء کا فریضہ انجام دیا ہے۔ قرن اول میں رسول اللہ ﷺ کے متبعین میں سے مشہور ترین صحابہ میں سے اکثر نے یہ فریضہ انجام دیا ہے، بعد کے ادوار میں دیکھنے میں آیا ہے کہ امت میں سے بعض اہل علم نے عہدہ قضاء قبول کرنے سے انکار بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ تر امام ابوحنیفہ کا نام لیا جاتا ہے۔

صاحب دلیل القضاء الشرعی رقمطراز ہیں۔

"ونجد بالمقابل ان عدد کثیراً من کبار العلماء فی اواخر العصر الاموی و بدایته العصر العباسی رفضوا القضاء ومن هو لاء الذین رفضوا القضاء ابو حنیفة نعمان وروی ابن عابدین ان ابا حنیفة دعی الی القضاء ثلاث مرات فابی وضرب فی کل مرة ثلاثین سوطا فلما کان فی المرة الا خیرة قال : حتی استشیر اصحابی ، فاستشار ابا یوسف فقال له: لو تقلدت لنفعت الناس فنظر الیه ابو حنیفته نظر المغضب وقال : ارایت لو امرت ان اعبر البحر سباحة اکنت اقدر علیه فکانی بك قاضیا (۱۰۰)

ترجمہ: اس کے مقابلے میں ہمیں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ عہد اموی کے اواخر اور عہد عباسی کے اوائل میں اکثر بڑے بڑے علماء نے قضاء کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ انکار کرنے والوں میں سے ایک امام ابوحنیفہ بھی (شامل) ہیں۔ ابن عابدین سے مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ کو تین مرتبہ قضاء کیلئے کہا گیا تو انہوں نے انکار کیا اور ہر مرتبہ ان کو تیس کوڑوں کی سزا ہوئی۔ آخری مرتبہ انہوں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرونگا۔ تو انہوں نے امام ابو یوسف سے مشورہ کیا۔ اس پر انہوں نے (امام ابو یوسف) نے کہا کہ اگر آپ قبول کرلیں تو لوگوں کو فائدہ ہوگا تو امام ابوحنیفہ نے انہیں غصے سے دیکھا اور کہا کہ تمہارے خیال میں اگر مجھے دریا کو تیرتے ہوئے عبور کرنے کیلئے کہا جائے تو کیا میں ایسا کرسکتا ہوں؟ میری یہاں حالت قضاء کی ہوگی۔ یہ واقعہ منصور کے عہد کا ہے۔

صاحب التشریع والفقه فی الاسلام یہ واقعہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"اراد منه عامل مروان على العراق يزيد بن عمر بن هبيرة ، ان يلى له القضاء الكوفه فابى فضربه مائة و عشرة اسواط فى كل يوم عشرة وهو على الا متناع فلما را ى تصميمه على الرفض خلى سبيله " (۱۰۱)

ترجمہ: عراق کیلئے مروان کے گورنر یزید بن ہبیرۃ نے ارادہ کیا کہ کوفہ کے قضاء کا منصب اسی کیلئے وہ (امام ابوحنیفہ) سنبھالے تو انہوں نے انکار کیا، پس اس نے ان کو (ابوحنیفہ کو) روزانہ دس کوڑوں کے حساب سے ایک سودس کوڑے لگوائے اور وہ انکار کرتے رہے۔ جب اس نے ان کے انکار کو عزم صمیم کے ساتھ پایا۔ تو چھوڑ دیا۔

اس واقعہ سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ یہ سختی عہدہ قضاء کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی شیخ محمد الخضری اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ کوڑوں سے مارنا انتہائی توہین آمیز ہے اور کوئی عاقل ایسا نہیں کرتا کہ منصب قضاء جیسی اہم ترین امارت اسی کو سونپ دے، جس کی اس طرح سے توہین کی گئی ہو، ہوسکتا ہے کہ امیر کے ذہن میں ان سے نفرت پیدا ہوئی ہو اس لئے ان کو سزا دی ہو۔

جبریہ طلاق کے سلسلہ میں امام مالک کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ وہ جبریہ طلاق کو واقع نہیں سمجھتے تھے۔ یہ واقعہ عباسیوں کے دور میں محمد بن عبداللہ بن حسن (النفس الزکیہ) کے خروج کے وقت کا ہے۔ خلیفہ وقت منصور نے اس مسئلہ کو بیان کرنے سے امام مالک کو منع کیا۔ لیکن امام صاحب نے انکار فرمایا تو مدینہ کے گورنر جعفر بن سلمیان نے انکو (کوڑوں سے) مارا۔

امام مالک کے واقعہ کو اگر امام ابوحنیفہ کے واقعہ سے ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی سزائیں سیاسی تھیں، اس وجہ سے امام ابوحنیفہ کا انکار کی امکانی صورت سیاسی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ فرض بھی کیا جائے کہ عہدہ قضاء کی عدم قبولیت کی وجہ سے سزا دی گئی تھی تو پھر بھی واضح ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں حاکم وقت کی عدالتی امور میں مداخلت کے زیادہ امکانات ہوسکتے ہیں۔ اس وجہ سے عہدہ قضاء کو قبول کرنا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں تھا۔

اس بحث سے قطع نظر یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد علماء اور صلحاء نے عہدہ قضاء کو قبول فرما کر لوگوں کے درمیان اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کئے۔

پس ثابت ہوتا ہے کہ ترہیب اور ترغیب کا مقصد انسان کو اس اہم ادارے کی حساسیت سے آگاہی ہو سکتا ہے۔ اسکی حیثیت کا تعین ہم ترغیب اور ترہیب کو جنت اور دوزخ کے تصورات کے ساتھ ملا کر کرسکتے ہیں۔ جنت اور دوزخ کے تصور سے انسان کے اعمال میں توازن قائم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ترہیب اور ترغیب کے اس تصور سے قضاء کے معاملات میں یکسانیت اور توازن مقصود ہے۔ اسی حوالے سے قضاء

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حصہ بنتا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرائض میں شمار ہوتا ہے۔

محمد صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"فاعلم ان لا شك في وجوب الدخول في القضاء على من لا يغني عنه غيره ولا شك في تحريمه على من لا يصلح له إما لقصور في علمه او في ادراكه او في دينه لا نه تلبس بما لا يصلح له ودخل فيما ليس هو من شانه" (۱۰۲)

ترجمہ: جان لو کہ قضاء کے فرائض کی انجام دہی ہر اس شخص پر لازم ہے۔ جس کے علاوہ اس کی انجام دہی کا اہل کوئی نہ ہو اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ ہر اس شخص پر حرام ہے جو اس کی اہلیت نہیں رکھتا چاہے علم کی سمجھ یا دین میں کسی کمی کی وجہ سے ہو۔ اس لئے کہ وہ ان چیزوں میں پڑ گیا جو نہ تو اس کا کام ہے اور نہ اس کیلئے یہ صحیح ہے۔

ان احادیث اور واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) منصب قضاء قبول کرنا اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا انتہائی مشکل امر ہے، جس میں مشکلات زیادہ ہیں اگر اس سے بچنے کا کوئی طریقہ ممکن ہو تو مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم نے منصب قضاء قبول کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

(۲) قضاء ایک مشکل ترین امر ضرور ہے لیکن اس امت کا بنیادی فریضہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کر کے حقیقی عدل قائم کرے، اور اسی وجہ سے بعض اہل علم نے اسے برسوں کی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔

ان تمام فرمودات کے مجموعی تجزیے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دراصل رسول ﷺ کے ان فرمودات کا بنیادی مقصد منصب قضاء کی اہمیت اور نزاکت کو اجاگر کرنا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ منصب قضاء مشکل ہے اور تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہتے ہوئے فیصلے ہوں۔

اس سلسلے میں صاحب معین الحکام فرماتے ہیں:

"وقال بعض اهل العم : هذا الحديث دليل على شرف القضاء و عظيم منزلته و ان المتولى له مجاهد لنفسه وهواه وهو دليل على فضيلة من قضى با لحق اذ جعله زبيح الحق امتحانا لتعظم له المثوبة امتنا نا ، فالقاضى لما استسلم لحكم الله وصبر على مخالفة الا قارب والا با عد فى خصو ما تهم فلم ياخذه فى الله لومة لائم حتى قادهم الى امر الحق و كلمة العدل وكفهم عن دواعى الهوى والعناد جعل زبيح الحق الله و بلغ به حال اشهدا

الذين لهم الجنته وقدولى رسول الله ﷺ على بن ابن طالب عليه السلام و معاذ بن جبل و معقل بن يسار رضى الله عنهما القضاء فنعم الزابح ونعم المذبحون فالتحذ ير الوارد من الشرع انما هو عن الظلم لا عن القضاء فان الجورفى الا حكام واتباع الهوى فيه من اعظم الذنوب واكبر الكبائر " (۱۰۳)

ترجمہ: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ حدیث قضاء کے شرف اور بلند رتبے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔اس لئے کہ قضاء پر مامور فرد اپنے نفس اور خواہشات کے خلاف جہاد کرتا ہے اور جو برحق فیصلہ کرتا ہے اسکی فضیلت کیلئے یہی حدیث دلیل ہے۔ کیوں کہ بطور امتحان تو وہ "شھید حق" ہے اور بطور احسان اس کا اجر نہایت عظیم ہے، پس قاضی اللہ کے حکم کا مطیع ہوا اور اپنے پرائے کے تنازعات میں ان کے مخالفت کی پرواہ نہ کی اور اللہ کے حکم میں کوئی عار محسوس نہیں کی ۔ یہاں تک کے اس نے لوگوں کے سچے فیصلے کی طرف راہنمائی کی اور انہیں نفسانی خواہشات اور آپس کی دشمنی سے دور رکھا۔ اسی وجہ سے اسے خدا نے شہید حق کہا اور شہداء کا مقام حاصل کیا۔ جن کا ٹھکانہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ رسول ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب علیہ السلام، حضرت معاذ بن جبل اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہما کو قاضی مقرر فرمایا۔ کیا بہترین شہادت دلانے والے تھے اور کیا ہی بہترین شھید ان حق تھے یہ لوگ۔ پس شریعت میں جو ممانعت آئی ہے وہ ظلم سے ہے نہ کہ قضاء سے اس لئے کہ فیصلے کرنے میں ظلم اور خواہشات کی پیروی ہی دراصل کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

" بعثنى رسول الله ﷺ الى اليمن قاضياء فقلت يا رسول الله ! ترسلنى وانا حديث السن ولا علم لى با لقضاء فقال ان الله سيهدى قلبك ، ويثبت لسانك فاذا جلس بين يديك الخصمان فلا تقضين حتى تسمع من الا خر كما سمعت من الا ول فانه اجرى ان يتبين لك القضاء (۱۰٤)

ترجمہ: رسول ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا میں نے کہا یا رسول ﷺ آپ مجھے بھیج رہے ہیں حالانکہ قضاء کے بارے میں میرا تجربہ کم ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا، خدا تیرے دل کو سیدھی راہ دکھا دے گا اور تیزی زبان کو مضبوط رکھے گا۔ جب مدعی اور مدعی علیہ تمہارے سامنے بیٹھیں تو اس وقت فیصلہ مت کرو جب تک دوسرے کی بات اسی طرح نہ سنو جس طرح تم نے پہلے کی بات سنی، فیصلے کی گتھی سلجھانے کیلئے یہی سب سے زیادہ عقل مندی کی بات ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

"ان علیا بعثه رسول ﷺ الی الیمن قاضیاء قال یا رسول ﷺ بعثنی بینهم وانا شاب لا ادری ما القضاء قال فضر ب رسول ﷺ فی صدری وقال "اللهم اهده وثبت لسانه" (١٠٥)

ترجمہ: جب حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے لوگوں کا قاضی مقرر فرمایا حالانکہ میں جوان ہوں اور فیصلہ کرنا نہیں جانتا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "اے اللہ اسکو ہدایت دے اور اسکی زبان کو مضبوط کر"

حضرت علیؓ کا رسول اکرم ﷺ کے ساتھ دینی اور نسبی قرب سب کو معلوم ہے اگر قضاء کا منصب اتنا ہی خطرناک ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کم از کم ان کو اس منصب پر مامور نہ فرماتے یہاں تو ان کیلئے دعا کی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ خود کو نا تجربہ کار ظاہر کرتے ہیں جبکہ نا تجربہ کاری میں غلط فیصلوں کا امکان زیادہ ہوتا ہے تو گویا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کیلئے ایسی جگہ پسند فرمائی جس میں اخروی نقصان کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ یہ شان رسالت سے بہت بعید ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے متعلق حدیث اس بات کو مزید واضح کرتی ہے۔

"عن الحادث بن عمر و یرفعه الی معاذ لما بعثه رسول الله ﷺ الی الیمن قال له کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد قال اقضی بسنة رسول الله ﷺ قالم فان لم تجد فی سنةرسول الله ﷺ قال قلت اجتهد بری ولاآلو قال فضرب رسول الله ﷺ صدره قال والحمد الله الذی وفق رسول رسول الله ﷺ لما یرضی رسول الله "

(١٠٦)

ترجمہ: حارث بن عمروؓ سے حدیث مروی ہے۔ وہ اس حدیث کو حضرت معاذؓ سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یمن کی طرف (قاضی بنا کر) بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوگا کہا کہ میں قرآن کے مطابق فیصلہ کرونگا۔ فرمایا اگر تم قرآن میں اس کے مطابق حکم نہ پاو تو کیا کرو گے۔ کہا کہ سنت کے مطابق فیصلہ کرونگا۔ فرمایا کہ اگر سنت میں بھی اس کا حکم نہ پاؤ کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ اور اپنی کوشش میں کوئی کمی نہیں کرونگا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے اپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ سب تعریفیں اللہ واسطے کہ جس نے رسول کو ایلچی کو اس بات کی توفیق دی جس سے پیغمبر خدا

راضی ہو"

یہ انتہائی مشہور و معروف حدیث ہے اور مختلف امور میں حوالے کے طور پر پیش کی جاتی ہے بلکہ اصول اجتہاد میں یہ حدیث بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں اس حدیث کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوال پر حضرت معاذؓ کا جواب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ خاصے تربیت یافتہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ تب ہی تو انہوں نے بعینہ وہی جواب دیا جو رسول اکرم ﷺ کو مطلوب تھا اور قضاء کا عہدہ قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ ایک اہم پہلو یہ کہ اجتہاد چاہئے قانون بنانے میں ہو یا قانون کے نفاذ میں، ہر دوصورتوں میں اسکی حیثیت ایک ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس میں مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتہائی کوشش کی جاتی ہے اور یہی کوشش سعادت کا باعث بنتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں ارشاد ہے کہ جب قاضی اجتہاد کرتا ہے اور درست ہو تو اس کو دہرا اجر ملتا ہے اور اگر وہ اجتہاد کرنے میں غلطی کر جاتا ہے تو اس کیلئے ایک اجر ہے یہ حدیث قضاء سے متعلق دوسری احادیث کی بظاہر معارض ہے اور وہ یہ کہ قاضی چاہے اس کا فیصلہ صحیح ہو یا غلط دونوں صورتوں مین اجر کا مستحق ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے تابع رہتے ہوئے فیصلے کرے تو پھر عذاب اور سختی چہ معنی دارد کیوں کہ قاضی نے تو "الحب للہ" اور "البغض للہ" کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہے۔ ایسی صورت میں وہ یقیناً اجر کا مستحق گردانا جائیگا نہ کہ عذاب اور مواخذے کا، ہاں اگر وہ فیصلے کرنے میں غفلت برتتا ہے یا اس کا فیصلہ ظلم پر مبنی ہو تو یہ اسلامی تعلیمات سے انحراف ہوگا اس کا عذاب اور مواخذہ دوسرے امور کی نسبت سخت ہوگا۔

صاحب معین الحکام فرماتے ہیں۔

" واعلم ان كل ما جاء من الا حاديث التى فيها تخويف ووعيد فانما هو فى حق قضاة الجور و العلماء والجهال الذين يد خلون انفسهم فى هذا المنصب بغير علم ففى هذين الصنفين جاء الوعيد " (۱۰۷)

ترجمہ: جان لو کہ جتنی احادیث تخویف اور وعید (قضاء) کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں تو وہ ظالم قاضیوں، علماء اور ان جاہل لوگوں سے متعلق ہیں جو بغیر علم کہ یہ منصب قبول کرتے ہیں یہ وعید ان دونوں اصناف ہی کے سلسلے میں ہے"

جہاں تک بعض صحابہ کرام کے منصب قضاء سے اجتناب کرنے کا تعلق ہے تو وہ بالکل واضح ہے۔ اگر امت میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ یہ بار گراں اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا اور اس کے نزدیک منصب قضاء کی قبولیت خانخواہ اپنے سابقہ اعمال پر پانی پھیرے کے مترادف ہے۔ تو یہ اس کا انفرادی معاملہ ہے نہ کہ اجتماعی، جتنا

کوئی عہدہ اہم ہوگا۔اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔عہدہ قضاء کی قبولیت کے حق میں اور مخالف میں جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ان تمام کے مضامین سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ منصب قضاء ایک انتہائی اہم ذمہ داری ہے۔جو ان لوگوں کو قبول کرنی چاہئے جو معروف و منکر میں تمیز اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔مزاج شریعت کے عالم ہوں کیوں کہ قاضی کے پاس مدعی اور مدعی علیہ دونوں دلائل دیتے ہیں اور قاضی کو بہت سارے فیصلوں میں اختیار تمیزی استعمال کرنا ہوتا ہے۔اس اختیار کے استعمال کیلئے علم،عقل اور قوت فیصلہ تینوں انتہائی اہم اور ضروری ہیں ورنہ اختیار تمیزی کا استعمال ایک طرف معاشرے میں فساد کا موجب بنے گا اور دوسری طرف خود قاضی کیلئے وبال جان ہوگا۔رسول اکرم ﷺ عدل وانصاف کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں
:

"المقسطون عند الله يوم القيمة على منا بر من نور عن يمن الرحمن عزوجل و كلتايديه يمين " (۱۰۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل وانصاف کرنے والے قیامت کے روز نور کے منبروں پر ہونگے۔یہ منبر رحمٰن کی داہنی جانب قائم ہونگے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہاتھ ہیں۔شیخ ابوالحسن "یمین الرحمٰن" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" وقوله يمين الرحمن معناه فى الحالة الحسنة والمنزلة الرفيعة" (۱۰۹)

رحمٰن کے دائیں ہاتھ کا معنی یہ کہ وہ اچھی حالت اور بلند درجہ پر (فائز) ہونگے۔

عدل وانصاف قائم کرنے والوں کیلئے جس اجر کا تذکرہ اس حدیث میں ہوا ہے۔وہ عدل کرنے والوں سے متعلق تمام احادیث کی وضاحت کیلئے کافی ہے۔اس لئے کہ جب قاضی عدل قائم کرے گا تو اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہونگے اور خداوند تعالیٰ کی یہی خوشی اس کی دنیوی اور اخروی فلاح کیلئے کافی ہے۔ہم اس موضوع کو صاحب معین الحکام کے اس اقتباس پر ختم کرتے ہیں فرماتے ہیں:

" اعلم ان اكثر المتولفين من اصحابنا و غير هم بالغوا فى الترهيب والتحذير من الدخول فى ولاية القضاء وشددوا فى كراهة السعى فيها ورغبو ا فى الاعراض عنها والنفور والهرب منها حتى تقرر فى اذهان كثير من الفقهاء والصلحاء ان من ولى القضاء فقد سهل عليه دينه والقى بيده الى التهلكة ورغب عما هو الافضل وساء اعتقادهم فيه ، وهذا غلط فاحش يجب

الرجوع عنه ،والتوبة منه ، والواجب تعظيم هذا المنصب الشريف و معرفة مكانته من الدين ، فيه بعث الرسول و بالقيام به قامت السموت والارض وجعله النبى عليه الصلاة والسلام من النعم التى يباح الحسد عليها ، فقد جاء من حديث ابن مسعود عليه الصلاة والسلام " لا حسد الا فى اثنتين" رجل اتاه اله مالا فسلطه على هلكته فى الحق ، ورجل اتاه الله الحكمة فهو يقضى بها ويعمل بها وقد جاء من حديث عائشة رضى الله عنها عليه الصلاة والسلام قال " قال هل تدرون من السابقون الى ظل الله يوم القيامة؟ قالوا الله اعلم ورسوله ، قال الذين اذا اعطوا الحق قبلوه واذا سئلوه بذلوه ، واذا حكموا للمسلين حكموا ، كحكمهم لانفسهم، وقال عبد الله بن مسعود لا ن اقضى يوماً احب الى من عبادة سبعين سنة و مراده انه ، اذا قضى يوما بالحق كان افضل من عباده سبعين سنة فكذلك كان العدل بين الناس من افضل اعمال البر واعلى درجات الاجر قال الله تعالىٰ و ان حكمت فاحكم بينهم بالقسط ان الله يحب المقسطين ، فاى شيء اشرف من محبة الله تعالىٰ (١١٠).

ترجمہ: جان لو کہ ہمارے بعض مؤلفین نے ولایت قضاء قبول کرنے سے ڈرانے میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور لوگوں کو اس سے اعراض کرنے، ڈرانے اور بھاگنے کی ترغیب میں اتنی شدت دکھائی کہ بہت سے مصلحین اور فقہاء کے اذہان میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس کو منصب قضاء سپرد ہوا وہ دین سے دور ہو گیا اور وہ اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں گرا کیوں کہ انہوں نے خدا کی عبادت جو افضل چیز تھی اس سے منہ موڑا اور دنیا داری میں پھنس گئے، اس سلسلے میں ان کا عقدہ خراب ہوا۔ یہ ایسی غلطی ہے جس سے رجوع کرنا اور توبہ کرنا لازم ہے، کیوں کہ اس اعلیٰ منصب کی تعظیم اور دین میں اس کے مقام کو پہنچانا لازم ٹھہرتا ہے۔ اسی (قضاء) کیلئے تو پیغمبر مبعوث ہوئے اور زمین وآسمان اسی کی وجہ سے قائم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قضاء کو ایسی نعمت قرار دیا ہے جس پر رشک کرنا جائز ہے جیسا کہ حدیث ابن مسعودؓ میں ہے۔ "دو شخص قابل رشک ہیں ایک وہ جسے اللہ نے دولت دی، پھر اس کو حق کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق دی اور دوسرا وہ جسے اللہ نے علم سے نوازا اور وہ اس کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتا اور عمل کرتا ہو۔ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا" کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے

دن اللہ کے سائے میں کون سب سے پہلے ہونگے ؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو حق دیا جائے تو قبول کرتے ہیں اور جب ان سے مانگا جائے تو سخاوت کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں گویا وہ اپنے لئے فیصلہ کر رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میرا ایک دن کا فیصلہ کرنا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے، اس طرح لوگوں کے درمیان عدل (کا قیام) نیکی کے اعمال کا اجر کے لحاظ سے بہتر ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے تو کون سی وہ چیز ہے جو اللہ کی محبت سے زیادہ اچھی ہو''۔

متمدن اقوام کے ہاں قضاء حکومت کا اہم ادارہ ہوتا ہے۔ یہی اقوام کسی نہ کسی طور پر معاملات میں کافی حد تک توازن اور انصاف قائم کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں لیکن ان کا تصور انصاف اسلامی نظام قضاء کا کسی بھی طرح مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پاکستان میں مروجہ نظام قضاء انگریزوں کا وضع کردہ ہے، یہ نظام ایک غلام قوم کیلئے رائج کیا گیا تھا۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے فوراً بعد سے اس نظام کے اصلاح کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جاتی رہی ہے۔ لیکن تا حال اس میں کامیابی ممکن نہیں ہوسکی ہے۔ انصاف کی فراہمی کے اس نظام کو اسلامی بنانے کیلئے بہت زیادہ تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ چند اہم تبدیلیاں لانے سے اسلامی نظام عدل کے تقاضے باآسانی پورے نہیں کئے جاسکتے۔

۱۔ عدل کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ پورے نظام کی اساس اسلامی قوانین پر بھی رکھی جائے اس لئے کہ جزوی طور پر قوانین کے نفاذ سے کسی بھی صورت میں اسلامی نظام عدل کے تقاضے پورے نہیں کئے جاسکتے۔

۲۔ کسی بھی قانون کے نفاذ کیلئے نہ صرف اس قانون کے جاننے والے درکار ہوتے ہیں بلکہ اس قانون کی روح کو سمجھنے والے ایسے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو انصاف کی فراہمی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ اس لئے اسلامی قوانین کے اجراء کیلئے وہ افراد درکار ہونگے۔ جو اس قانون کو نہ صرف جانتے ہوں بلکہ صدق دل سے اسے تسلیم بھی کرتے ہوں، اس لئے قانون کے نفاذ کیلئے اہلیت عالم مسلمان ہی کی ہوگی۔ اس وجہ سے غیر مسلم اور غیر عالم افراد (مسلمانوں کی حد تک) اہلیت سے خارج قرار پائینگے۔ قرآن کریم کا بھی اس سلسلے میں واضح حکم ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ولن یجعل الله للکافرین علی المئومنین سبیلا (۱۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے مئومنین پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی۔

قرآن کریم کا مسلمانوں کے اوپر غیر مسلموں کی ولایت سے متعلق ارشاد ہے۔

الم ترالی الذین یذعمون انهم آمنوا بما انزل الیك وما انزل من

قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امروا ان
يكفروا به" (۱۱۲)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کیلئے طاغوت (نہ ماننے والوں) کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت (نہ ماننے والے) سے انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

البتہ غیر مسلموں کیلئے علیحدہ جج مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ غیر مسلموں کیلئے علیحدہ جج مقرر کرنے سے متعلق جواز قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے عیاں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"فان جائوك فاحكم بينهم او اعرض عنهم" (۱۱۳)

ترجمہ: پس اگر (کفار) آپ کے پاس آجائیں تو ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان سے اعراض کرو۔

صاحب القضاء فی عهد عمر اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

" اذا اعرض الحاكم المسلم عن الحكم بين الكفار فلا بد ان
يتحاكموا الى اهل ملتهم" (۱۱٤)

ترجمہ: جب مسلمان حاکم کفار کے مابین فیصلہ کرنے سے انکار کرے تو ان کیلئے اپنے ہم مذہب میں سے کسی کو قاضی سے فیصلے کرانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ غیر مسلم ججوں کو غیر مسلموں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کیلئے مامور کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ غیر مسلموں کے ان کے اہل دین کی حد تک قضاء تک قائل ہیں (۱۱۵)

عدل کیلئے اسلام راسخ عقیدے پر زور دیتا ہے۔ اعمال کا محور عقیدہ ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے عقیدہ جتنا مضبوط ہوگا فیصلہ اتنا ہی واضح دوٹوک اور احکام الٰہی کے تابع ہوگا۔ جہاں کمزوری تو درکنار ایمان ہی نہ ہو وہاں امید کس بات کی؟ قاضی جج کے اکثر فیصلے اسکے اختیاری تمیزی پر منحصر ہوتے ہیں، قاضی اگر غیر مسلم ہو تو وہ اپنی سوچ کے تابع رہتے ہوئے اپنے اختیار تمیز استعمال کرے گا۔ جبکہ مسلمان اپنی سوچ میں بھی اپنے آپ کو حکم الٰہی کا پابند سمجھے گا اور خداوند تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے تصور سے لیس ہو کر فیصلہ کرنے میں احتیاط برتے گا۔

۳۔ قضاء کے معاملات ان افراد کے سپرد کرنے چاہئیں، جو واجبی عقل نہیں بلکہ عقل سلیم کے مالک ہوں یعنی وہ عقل جس کے ذریعے حق اور باطل میں تمیز ممکن ہو۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

" ولا يكتفى بالعقل الذى يتعلق به التكاليف من علمه

بـالـمـدركـات الضرورية حتى يكون صحيح التميز جيد الفطنة بـعيـدا مـن السهـو والـغفلة يتوصل بذكائه الى ايضاح ما اشكل وفصل مااضل" (١١٦)

ترجمہ: اس (قضاء) میں وہ واجبی عقل بھی ناکافی ہے، جس کے ضروری ادراک کی وجہ سے وہ صرف مکلّف ہی ٹھہرتا ہے، جب تک کہ صحیح التمیز انتہائی سمجھدار، غفلت اور بھول سے مبرا نہ ہو اور اپنی زکاءت مشکلات کو حل اور رکاوٹ کو ختم کرسکتا ہو۔یعنی معاملات کے گھتیوں کو سلجھا سکتا ہو)

۴۔ عہدہ قضاء کیلئے جج، قاضی کا عادل ہونا بھی انتہائی ضروری ہے، عادل سے مراد وہ فرد جو گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے والا نہ ہو اوامر کو پورا کرنے والا اور منہیات سے اجتناب کرنے والا ہو۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

کہ عدالت ہر قسم کی ولایت میں ضروری ہے، عدالت سے مراد اس کا صاف گو ہونا، امانت دار ہونا، محارم اور گناہوں سے بچنے والا، شک وشبہ سے بالاتر، خوشی اور غصہ میں اعتدال والا ہو۔ اسی طرح دینی اور دنیاوی امور میں بامروت ہو (۱۱۷)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

" اهليته القضاء، تدور مع اهلية الشهادة" (١١٨)

ترجمہ: قضاء کی اہلیت شہادت کی اہلیت کے ساتھ مشروط ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

" ان الله يا مركم ان تودوا الامانت الى اهلها" (١٩٩)

ترجمہ: اللہ تمہیں امانات ان کے اہل افراد کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

قضاء کا مقصد عدل کا قیام ہے جو کہ غیر عادل کے ذریعے ممکن نہیں مستند آئمہ کرام کے بیان کردہ موقف کا بنظر عائر مطالبہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی امام یا فقیہ کسی نااہل اور غیر عادل قاضی کے قضاء کو جائز نہیں سمجھتا۔

امید کی جاسکتی ہے کہ اسلامی قوانین کے مکمل نفاذ کے بعد ان چند گزارشات کو قاضیوں یا ججز کی اہلیت میں شامل کرنے سے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیابی ممکن ہو سکے گی۔

وما توفيقى الا بالله

حوالہ جات

١. القرآن: ١٨: ٥٤

٢. القرآن: ٣٦:٧٧

٣. القرآن: ٣: ١١٠

٤. محمد صدیق حسن خان، نواب ظفر الاضی بما یجب علی القاضی، ص. ١٠٧

٥. القرآن: ٢٥:٥٧

٦. القرآن: ٢١٣:٢

٧. القرآن: ١٨: ٥٤

٨. القرآن: ١٩: ٨

٩. القرآن: ٣:٧٦

١٠. ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمه، ص ٣٣، دارلافکر بیروت: تاریخ ندارد

١١. Azad Ghulam murtaza, judicial System of Islam, P.1, Islamic Research Institute, Islamabad 1987

١٢. ناصر بن عقیل، الدکتور، المرافعات الشرعیة، ص ٤٨، الطبعة الاولی، ١٩٨٥/١٣٠٥

١٣. القرآن: ٣٨: ٢٦

١٤. القرآن: ٥: ٤٨

١٥. القرآن: ٤٥: ١٩

١٦. القرآن: ٤٢: ٤٠/٤٢

١٧. القرآن: ٤٢: ٢١

١٨. ابن حزم، علی بن أحمد بن سعید، المحلی، ٩: ٣٦٢، دارالآفاق الجدیدة بیروت: تریخ ندارد۔

١٩. ابو فارس، محمد عبدالقادر، القضاء فی الاسلام ص ٦

٢٠. ناصر بن عقیل الدکتور المرافعات الشرعیة ص ٥

٢١. القران: ٣٢: ٤٢

٢٢. شیرازی ابواسحق ابراهیم بن علی المهذب علی الشافعی ٢٨٩:٢ مصر: تاریخ ندارد

٢٣. ابن قدامه عبدالله بن أحمد المقدسی المغنی ٣٤:٩ مکتبه الریاض: ١٩٨١/١٤٠١

٢٤. الكاسانی' البدائع والصنائع' ٧:٩

٢٥. سرخسی' أبی بكر' محمد بن أحمد' شمس الأئمه المبسوط' ١٦: ٥٩/٦٠' دارالمعرفه' بيروت: ١٣٣١/١٩١٣

٢٦. الكاسانی البذائع والصنائع' ٧:٩

٢٧. ابن قدامه' المغنی' ٩: ٣٤

٢٨. ناصر بن عقيل' الدكتور' القضاء فی عهد عمر بن الخطاب: ص ٥٧

٢٩. القرآن: ٤٢: ١٥

٣٠. مودودی' مولانا سيد ابولا علی' تفهيم القرآن' ٤:٤٩٦: مكتبه تعمير انسانيت لاهور: ١٣٠٢/١٩٨٢

٣١. القرآن: ١٠: ٤٢

٣٢. ابن اقيم الجوزيه' أبی عبدالله محمد بن أبی بكر' اعلام الموقعين عن رب العالمين' ١: ٨٧' مطبعة السعادة مصر ١٣٧٤/١٩٥٥

٣٣. الطرابلسی' علی بن خليل' عمين الحكام فيما يترددبين الخصمين من الاحكام' ص٧' وبها منسه لسان الحكام' قندهار' تاريخ ندارد.

٣٤. ابن قدماة' المغنی' ٩: ٣٤

٣٥. ابن منظور' لسان العرب' ٢٠: ٤٦ - ٥٠' دار صادر بيروت' الزمخشری' محمود بن عمر' أساس البلاغة' ص ٣٢٠.

٣٦. القرآن: ١٢:٤١

٣٧. القرآن: ١٤: ٣٧

٣٨. القرآن ١٧:٢٣

٣٩. القرآن: ٢: ٢٠٠

٤٠. القرآن: ٢٨:١٥

٤١. القرآن: ٣٣:٣٧

٤٢. القرآن: ٣٣:٢٣

٤٣. القرآن: ١٠:٧١

٤٤. القرآن: ١٢:٤١

٤٥. القرآن: ٢:١١٧

٤٦. القرآن: ١٩:٢١

٤٧. القرآن: ٢٠:٧٢

٤٨. القرآن: ٤٠:٢٠

٤٩. الاصفحانی' راغب' معجم مفردات الفاظ القرآن' ص ٣٠٦' مطعة التقد االعربی ن ١٣٩٢/١٩٧٢

٥٠. الـن اشحنه ابوالوليد' ابراهيم بن أبی اليمن محمد بن أبی الفضل' لسان الحكام فی معرفة الاحكام' ص ٣' تاريخ ندارد

٥١. ابن عابدين حاشيه ردالمختار علی درالمختار' ٥: ٣٥٢' طبعة الثاننة' مصطفی الحلبی' ١٣٨٦/٦٧-١٩٦٦

٥٢. العمروسی' انور' اصول المرافعات الشريعة فی مسائل الاحوال الشخصية' ص ١٢ مصر: تاريخندارد

٥٣. ابن همام' كمال الدين محمد بن عبدالواحد' شرح فتح القدير' ٥:٤٥٣' وبهامشه شرح العناية علی الهداية لا كمل الديـنمخمد بن محمود والفتح والهداية فی الصلب الاول' مطبعة مصطفی محمد' مصر' تاريخ ندارد

٥٤. ابـن فرحون' ابراهيم بن علی' برهان الدين' تبصرة الحكام فی اصول الاقضية و منهاج الاحكام علـی هامشة فتح العلی المالك لأبی عبدالله محمد أحمد عليش ١:١٢' الطبعة الثانية' مصر: ١٣٥٦/١٩٣٧

٥٥. جامعة الامام محمد بن سعود' نظام القضاء فی الاسلام' ص ٨' ادارة الثقافة والنشر' الرياض: ١٤٠٤/١٩٨٤.

٥٦. ابو فارس،الدكتور،محمد عبدالقادر"القضاء فی الاسلام"،ص ١٦،دارالفرقان،اردن •

٥٧. كاسانی،بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع ٧/ص٢ دارالكتاب العربی،بيروت،طبع ثانيه ١٣٩٤هـ ١٩٧٤ء

٥٨. ابو فارس،الدكتور،محمدعبدالقادر"القضاء فی الاسلام" ص ١٦-

٥٩. ابن كثير أبوالفداء اسماعيل' عمادالدين' البداية والنهاية' ٣:٢٢٥' دار ابن كثير' بيروت: تاريخ ندارد

٦٠. القرآن: ٤:١٠٥

٦١. القرآن : ٤: ٦٥

---

٦٢. القرآن: ٥:٤٤

٦٣. القرآن: ٥:٤٥

٦٤. القرآن: ٥:٤٧

٦٥. القرآن: ٢: ٢٥٦

٦٦. ابن القيم' اعلام الموقعين' ١: ٥٠

٦٧. مودودی' تفهیم القرآن' حاشیه' ٢: ٢٨٦

٦٨. القرآن: ٦:٨٢

٧٩. القرآن: ٣٣:٣٦

٨٠. مودودی' تفهیم القرآن' ١:٦:٣٠

٧١. ابن كثير ' أبوالفداء اسماعيل' عمادالدين' تفسير القرآن العظيم' ٣: ٣٩٠' سهيل اكيديمى' لاهور: ١٩٧٣/١٣٩٣

٧٢. القرآن: ٤: ١٣٥

٧٣. القرآن: ٥:٤٢

٧٤. مودودی' تفهیم القرآن' ١: ٤٠٦

٧٥. القرآن: ٥:٨

٧٦. القرآن: ٦: ١١٥

٧٧. غازی' محمود أحمد' ادب القاضی' (اردو)' ٣: ١١٥' ادارة تحقیقات الاسلامی' اسلام آباد

٧٨. بخاری' صحیح' ٩:١٣٣' مطبوعات محمد علی صبیح' مصر' ابوداؤد' سنن: ٢:٦٨٢' (كتاب الأقضية)' توزيع المكتبة الاسلامی' بيروت ١٩٨٩/١٤٠٩ مسلم' صحیح' ٢:٧٦' (كتاب القضية)

٧٩. سنن ابى داؤد ج ٢، ٢٧١ مكتبه مصطفى البابى الحلبى، مصر طبع اولى ١٣٧١- ١٩٥٢ اصح المطابع' الطبقة الثانية' كراچی' ١٩٥٦/١٣٧٥

٨٠. النبهان' محمد فاروق' الدكتور' نظالم الحكم فى الاسلام' ص ٦١٧

٨١. بخاری' صحیح' ٩:١٢٦' بيهقى' السنن الكبرى' ١٠: ٨٨' (كتاب اداب القاضی)

٨٢. محمد بن محمد عرنوس' تاريخ القضاء فى الاسلام' ص ١١

٨٣. مسلم' صحیح' ٢: ٧٤' (كتاب الاقضية)

٨٤. ابدائود' سنن' ٢:٦٨٤' (كتاب الاقضية)

٨٥. القرآن: ٢: ١١٨

٨٦. أبوداؤد' سنن ٢:٦٨٨' (كتاب الاقضية) مسلم' صحیح' ٢:٧٤' (كتاب الاقضية)

٨٧. الترمذی أبی عیسی محمد بن عیسی سنن ٦٢٧:٣ (كتاب الاحكام) دار عمران بيروت: تاريخ ندارد

٨٨. القرآن: ٥: ٤٨

٨٩. القرآن: ٤:٥٨

٩٠. القرآن: ٥: ٤٧

٩١. أبوداؤد سنن ٢:٦٨٢ (كتاب الاقضية)

٩٢. الكسانی البدائع والضنائع ٣:٧

٩٣. أبو داؤد سنن ٦٨٢:٢ (كتاب الاقضية) الترمذی أبی عیسی محمد بن عیسی سنن ٦١٤:٣ (كتاب الاحكام)

٩٤. أبوداؤد سنن ٢:٦٨٢ (كتاب الاقضية)

٩٥. صدر الشهيد حسام الدين عمر بن عبدالعزيز شرح ادب القاضی للخصاف ١:١٤٦. حققه محی الدين هلال اسر خان وزارة الاوقاف عراق

٩٦. صدر الشهيد حسام الدين عمر بن عبدالعزيز شرح ادب القاضی للخصاف ١: ١٤٦

٩٧. احمد بن حنبل مسند ٦: ٧٥ دارلفكر بيروت: تاريخ ندارد

٩٨. الترمذی سنن ٦١٢:٣ (كتاب الاحكام)

٩٩. النباهی ابوالحسن بن عبدالله كتاب المرقبة العليا فيمن يستحق القضاء وافتياء الشهور بتاريخ قضاة الاندلس ص ١١ المكتب التجاری بيروت

١٠٠. محمد صادق بحر العلوم دليل القضاء الشرعی اصوله و فروعه ١: ٣٣-٦٣٢ مطبعة النجف ١٩٥٦/١٣٧٥

١٠١. مناع القطان التشريع والفقه فی الاسلام ص ٢٠٦

١٠٢. سيد محمد صديق حسن خان ظفر اللاضی بما يجب فی القضاء علی القاضی ص ١٠٧ مكتبعة السلفية لاهور باكستان ١٩٨١/١٤٠٢

١٠٣. الطرابلسی علاء الدين معين الاحكام ص ٨.

١٠٤. أبوداؤد سنن ٢: ٦٨٣ (كتاب الاقضية)

١٠٥. سابق السيد فقه السنة ٣٩١:٣ دارالكتب العربی بيروت: ١٩٧١/١٣٩١

١٠٦. ابن القيم اعلام الموقعين ٢٠٢:١

١٠٧. الطرابلسی علاء الدين معين الاحكام ص ٨

١٠٨. البيهقی السنن الكبری ٨٧:١٠-٨٨ (كتاب ادب القاض)

١٠٩. النباهی تاريخ قضاه الاندلس ص ٣

١١٠ الطرابلسی' علاء الدین' معین الاحکام' ص ٨٠٧

١١١ القرآن: ٤:١٤١

١١٢ القرآن: ٤: ٦٠

١١٣ القرآن: ٥: ٤٢

١١٤ ناصر بن عقیل' الدکتور' ص ٢٠٦

١١٥ الماوردی' الاحکام السلطانية ص ٦٥

١١٦ الماوردی' الاحکام السلطانية ص ٦٥

١١٧ الماوردی' الاحکام السلطانية ص ٦٥

١١٨ کاسانی' البدائع والصنائع ٧:٣

١١٩ القرآن: ٤: ٥٨